نماز

کا

ظاہری حصہ اس کے باطنی حصہ سے

افضل ہے



از
منشی اصغر علی

(مطبوعہ انصاری پریس دہلی)

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ۱۰۳ (النساء)

ترجمہ:۔ مسلمانوں پر نماز بالقید وقت فرض ہے۔

نماز

کا ظاہری حصہ اسکے باطنی حصہ سے افضل ہے

تالیف

خاکپائے اولیا حاجی صوفی جناب منشی اصغر علی صاحب چشتی صابری

بی۔ اے۔ منشی فاضل

سپرنٹنڈنٹ دفتر اکونٹنٹ جنرل سنٹرل ریوینیوز۔ نئی دہلی

(فی الحال سینئر اکونٹنٹ نئی دہلی میونسپل کمیٹی نئی دہلی)

انصاری پریس دہلی میں طبع ہوا

جنوری ۱۹۴۸ء

بار اوّل تعداد ایکہزار ---------- قیمت چھ آنے

ملنے کا پتہ:۔ کوارٹر نمبر ۲۸ لیک سکوئیر نئی دہلی

عقیدتمندانہ پیشکش

اُن تمام بزرگوں کے نام جنہوں نے مجھے ایمان صحیح حاصل کرنے اور

اعمال صالحہ بجا لانے کی ترغیب دی یا دے رہے ہیں یا دیتے رہیں گے

کاش وہ اسے قبول فرمائیں۔

فقیر اصغر

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُس معبودِ بے نیاز کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے اپنی پسندیدہ طرزِ عبادت یعنی نماز اپنے پیارے نبی اُمی عبدِ کامل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معرفت مومنین کو تعلیم فرمائی ورنہ انسان کیلئے یہ کب ممکن تھا کہ نماز کے مماثل کوئی اور مقبول اور کامل طریق عبادت اختراع کر کے احکم الحاکمین کی رضاجوئی حاصل کرنے کا وسیلہ پا سکتا اور اسطرح اپنے مقصدِ پیدائش کو پورا کرسکتا اور بے تعداد درود وسلام اس ہادیٔ برحق صلعم پر جن کی سعی مشکور نے عبادت کا کوئی پہلو علماً یا عملاً تشنۂ وضاحت نہ چھوڑا۔

کون نہیں جانتا کہ اس زمانے میں مسلمانوں کے عقائد واعمال میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ ان میں سے اس ہیچمدان نے اس مختصر رسالے میں صرف نماز کے متعلق کچھ گذارش کیا ہے کیونکہ تمام خرابیوں کے وجوہات اور ان کے علاج وغیرہ کا بیان کرنا میری بساط سے باہر تھا۔ اور نماز کے بارے میں بھی صرف نماز کے باطنی حصہ پر اس کے ظاہری حصہ کی فضیلت واضح کی ہے تاکہ مسلمان نماز کے جسمانی حصہ کو جو محض زبان اور دوسرے جوارح کی حرکات پر مشتمل ہے حقیر نہ سمجھنے لگ جائیں۔ حالانکہ جسمانی حصۂ نماز ہی اصل نماز ہے اور اُس کا رُوحانی حصہ اس سے دوسرے درجے پر ہے۔

اس بیان کی ضرورت اس زمانے میں اور بھی زیادہ اسلئے محسوس ہوئی کیونکہ اکثر دیکھنے میں آیا کہ عوام ایسی تحریر و تقریر سے جس میں روحانی حصۂ نماز کی تاکید ہوتی ہے یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ نماز کے ظاہری رسومات چونکہ بغیر روحانی ثمرات کے اکارت ہیں اسلئے فضول اعمال کا مجموعہ ہیں اور قابلِ ترک۔ پس وہ صورتِ نماز کیا گویا اصل نماز سے ہی غفلت اور دوری اختیار کرتے جاتے ہیں اور نماز کے تارک ہوتے ہوئے اپنے نفس کو یوں سمجھا کر ڈھارس دے لیتے ہیں کہ جب تک ہم اپنے دل کو جو ہمیشہ دنیا اور دنیا کے دھندوں میں پھنسا رہتا ہے ایسا نہ سادھ لیں گے کہ وہ نماز کی روح اور حقیقت کو پا سکے اس وقت تک نماز پڑھنا شروع نہ کریں گے۔ ایسی نماز کو جو تکیف دل نہ پیدا کرے چونکہ بعض اصحاب مردود

کی طرف نظر دوڑانی چاہیئے۔

(۸) فن حربیات کا ماہر اور ایک بہترین جرنیل اگر مسلم جماعت کی فوجی زندگی کا فوٹو اتارنا چاہتا ہے تو اسے بھی ان صفوف مساجد پر تھوڑی دیر نگاہ بصیرت ڈالنی چاہیئے۔ جہاں ان فدائیان اسلام کو احکم الحاکمین کے قانون کی اشاعت میں جان قربان کرنے کے لئے ورزش کرائی جاتی ہے۔ اور اس کے ضمن میں گویا یہ پیغام سنایا جاتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ (صف)

(۹) فلسفۂ تعلیم کا ماہر اگر مسلم جماعت کے نظام تعلیمات سے واقف ہونا چاہتا ہے تو اسے بھی مذہبی تعلیم کی ان مختلف درسگاہوں پر غور کرنی چاہیئے جنکے متعدد طبقات حسب ذیل ہیں۔

اول۔ عامہ مساجد۔

دوم۔ جامع مساجد جو گویا ملیہ کالج ہیں۔

سوم۔ مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ جو گویا مشرقی اور مغربی قوموں کی مذہبی یونیورسٹیاں ہیں۔

چہارم۔ مسجد حرام۔ جو تمام اقوام عالم کیلئے انتہائی تعلیم کی مرکزی یونیورسٹی ہے۔

اسی فرق مراتب کے لحاظ سے احادیث میں ہر ایک کی نسبت مختلف فضائل و درجات وارد ہیں۔

چنانچہ عامہ مساجد یا مساجد قبائلی میں نماز پڑھنے سے ۲۵ درجہ کا ثواب اور بروایت دیگر ۲۷ درجہ کا ثواب اور جامع مسجد میں ۵۰۰ درجہ کا اور مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ میں ۵۰ ہزار کا اور مسجد حرام میں ایک لاکھ کا ثواب ملتا ہے (ابن ماجہ)

پس یہ مساجد مختلف طبقات کی وہ تعلیم گاہیں ہیں۔ جن سے مسلم ہستیاں تعلیم الٰہی کی سند پا کر دنیا میں صحیح تعلیم کا رنگ پھیلا رہی ہیں۔

اور شریعت غرا نے فرزندان اسلام کیلئے بلوغت سے قبل ایک حصہ تعلیمی

بتلاتے ہیں اس لئے ایسی نماز سے تو نماز نہ پڑھنا ہی اچھا۔ کیونکہ معبود برحق اگرچہ نماز نہ پڑھنے سے شاید ناراض ہوتے ہوں مگر ایسی نماز سے جس میں ایک نمازی اپنی نماز سے کوئی اخلاقی نتیجہ مترتب ہی نہ کرسکا ہو خدائے قدوس ضرور اور زیادہ ناراض ہوتے ہوں گے۔

کاش یہ لوگ جانتے کہ ظواہر و ارکان نماز ہی کی مواظبت ان کو نماز باطنی پڑھنے کا اہل بنا سکتی ہے اس ہادیٔ برحق نے اپنے بندوں کیلئے اس زمانے میں کوئی اور طریقہ اس نماز ظاہری کے علاوہ تہذیب اخلاق اور تادیب روح کیلئے تجویز ہی نہیں فرمایا۔

ظاہری نماز کی سکیم ایسی کامل اور مکمل ہے جس کی گرد کو بھی دنیا جہان کی تمام سکیمیں نہیں پہونچ سکتیں۔

(۱) اس میں دربار احکم الحاکمین میں حاضری اور پھر ہمکلامی کا شرف پایا جاتا ہے جو تعلق باللہ کا انتہائی مقام ہے۔

(۲) اس میں مسلم کی حیات ملیہ کا قانون ارتقا پیش ہوتا ہے۔ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ۔

(۳) فرقان حمید کے نشر و تحفظ کا بہترین ذریعہ بھی نماز ہے۔

(۴) گذشتہ نقائص وقصور کا محاسبہ اور آئندہ ترقی کی راہ (صراط مستقیم) کا مطالعہ بھی اسی میں ہوتا ہے۔

(۵) قوموں کی تہذیب و شائستگی اور اتحاد قومی کے رُوح پرور منظر کا اعلےٰ نمونہ اگر کوئی دیکھنا چاہے۔ تو اسے بھی نماز ہی کا نظارہ کرنا چاہیئے۔

(۶) ماہر نفسیات اگر نفسیات فردیہ کے نفسیات اجتماعیہ میں محو ہونے کا نقشہ دیکھنا چاہیں تو اسے بھی ان صف آرا نفوس کی طرف نظر ڈالنی چاہیئے جنکا بولنا تک امام کی زبان میں ہوتا ہے۔

(۷) سیاسیات کا ماہر اگر امت مسلمہ کے سیاسی اصول پر مطلع ہونا چاہتا ہے۔ تو اسے بھی جامعہ سیاسیہ۔ وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (الجن)

فرض نماز کسی وقت اور کسی جگہ ساقط نہیں ہوتی جب تک ہوش و حواس درست ہیں نماز کی فرضیت قائم رہتی ہے۔

(۲۴) اعمال میں نماز سب سے پہلے فرض ہوتی ہے اور سب سے آخر تک فرض رہتی ہے۔

(۲۵) شوکت اسلام نماز ہے۔ مسجدوں کی تعمیر۔ اذانوں کا اعلان خطیب اور پیش نمازوں کا تقرر سب کچھ نماز کے لئے ہے۔

(۲۶) حفاظ قرآن کی عزت محراب مسجد سے آشکارا ہوتی ہے اور علماء دین کی فضیلت ممبر مسجد سے نمودار۔

(۲۷) نماز ہی تکمیل انسانیت۔ نماز ہی اخلاق حسنہ کی ہادی ہے اور نماز ہی عادات کی سپر ہے۔

(۲۸) نماز دین کا ستون ہے۔

(۲۹) نماز ایک علامت ہے جس سے ایک مومن و کافر میں امتیاز کی جاتی ہے۔

(۳۰) نماز بہشت کی کنجی ہے۔

(۳۱) نماز کا حساب قیامت کے دن سب سے اول ہوگا۔ اگر اس میں کامیاب نکل آیا تو باقی کوتاہیوں کی کھپت ہو جائیگی ورنہ معاملہ مشکل ہے ؎

روز محشر کہ جاں گداز بود   اولیں پرسش نماز بود

(۳۲) بندوں پر توحید کے بعد کوئی فرض نماز سے زیادہ نہیں۔

(۳۳) نماز سے اس دنیا کے مطلب بھی پورے ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ رُوحانی طور پر انسان کو ایسی برکات حاصل ہوتی ہیں جن سے انسان کا دوسرا جہان بھی دُرست ہو جاتا ہے۔ ؎

سر نوشتِ واژگوں را راست میگردد نماز   نقش معکوسِ نگیں از سجدہ میگردد درست

(۳۴) نماز تمام عبادات کی جامع ہے۔ اگرچہ ظاہراً جزو ہے مگر جامعیت کی وجہ سے کل کا حکم پیدا کر لیا ہے اور تمام مقربہ اعمال سے برتر ہو گئی ہے۔ راس العلم خدا کی معرفت اور راس العبادات نماز ہے۔

کورس (پرائمری تعلیم) کا طے کرانا بذمہ والدین قرار دیا ہے جسکو وہ گھر میں (جو گویا تعلیم و تربیت کا پرائمری سکول ہے) طے کرا کے پھر ہائی کے درجہ (مساجد) میں داخل کریں گے جسکا داخلہ حسب ارشاد ذیل لازمی قرار دیا گیا ہے۔

اپنی اولاد کو جب وہ سات برس کی ہو جائے نماز کا پابند بناؤ اور جب دس برس کی ہو جائے تو عدم پابندی پر اسے سزا دو (ابوداؤد)

(۱۰) نماز سے انسان کو جسم اور لباس صاف رکھنے کی ہدایت ہوتی ہے۔

(۱۱) نماز سے قوم میں محبت و اتفاق پیدا ہوتا ہے۔ نماز ہی مختلف المزاج افراد کو واحد مرکز پر لاتی ہے۔

(۱۲) نماز ہی پابندئ اوقات کا خوگر بنانے والی ہے۔

(۱۳) نماز سے خدا کیلئے وقت اور کاروبار کی قربانی کا سبق ملتا ہے۔

(۱۴) نماز سے غریب اور امیر کا فرق مٹتا ہے۔

(۱۵) نماز سے منہ ناک کان دانت اور ہاتھ پاؤں جہاں گرد و غبار اور جراثیم جم سکتے ہیں صاف رہتے ہیں۔

(۱۶) نماز ایک نرم قسم کی اچھی ورزش ہے۔

(۱۷) نماز ہی اجتماع و تنظیم کی سبق آموز ہے۔

(۱۸) نماز ہی قوم کے پسند کردہ امیر کی اطاعت کا عملی سبق پڑھاتی ہے۔

(۱۹) نماز کی باقاعدگی قوم کو فوجی زندگی کا سبق سکھاتی ہے۔

(۲۰) نماز سے گرمی اور سردی میں ہوشیاری کے ساتھ اٹھنے سے وقت کی پابندی کا سبق ملتا ہے۔

(۲۱) حضورؐ کی کامیابیوں کا سب سے بڑا راز نماز تھی۔

(۲۲) نماز نے مسلمانوں کو ایک قوم بنا دیا تھا۔ ان کی روحوں کو پاک کر دیا تھا۔ انہیں مہذب بنا دیا تھا۔ ان کے دلوں کو خدا کی محبت سے بھر دیا تھا۔

(۲۳) سفر ہو یا مرض مفلسی ہو یا امیری۔ اسیری ہو یا آزادی۔ نوکری پر ہو یا گھر پر۔

ہوتی ہے۔ نماز عبادت کیلئے بمنزلہ ایک اوزار کے ہے جس طرح کہ ایک رحیم آقا اپنے ملازم بڑھئی کو بعض اوقات اوزار تیز کرنے کی اجرت عطا کر دیتا ہے حالانکہ اوزار تیز کرتے وقت نجار نے آقا کے لئے کوئی خدمت نجاری نہیں کی۔

(۶) نماز کا اصل مقصود خدا کا کھٹکا پیدا کرنا ہے۔ اتحاد عمل اور اطاعت امیر ہے۔ خدا کو اس بیخوقتہ چاپلوسی کی کچھ حاجت نہیں۔

(۷) خدا کا یہ ہم احساس نماز سے زیادہ موثر ہے ("وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ" کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ مولف) اس لئے پاس انفاس کی آٹھ پہری نماز کو چھوڑ کر ظاہر بیں علماء کی گائی ہوئی بیخوقتہ نماز کے پیچھے لگنا فضول ہے۔ ذکر اللہ جو نماز سے اکبر ہے اس کو اختیار کر لو سارا جو ذکر اللہ سے اصغر ہے خود بخود سر سے اتر جائے گی۔

(۸) اسلامی نماز وغیرہ مناسک ہیں اور ایک قوم کے مناسک کو دوسری قوم کے مناسک پر کوئی وجہ فضیلت نہیں۔

(۹) نماز دراصل توجہ الی اللہ کا نام ہے اور بس۔ باقی حرکات جسمانی تو محض اس توجہ کے موتی کو سنبھال رکھنے کیلئے بجائے ڈبے کے ہیں۔ ایک مریض جسمانی جب نماز ادا کرتے وقت اپنے اعضائے جسمانی کو حرکت نہیں دے سکتا تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو معذور قرار دیکر حرکاتِ جسمانی کی تکلیف سے نجات دیدی مگر توجہ الی اللہ کو اس حالت میں بھی قرار رکھا جس سے معلوم ہوا کہ نماز کی فروعات یعنی حرکات جوارح ساقط ہو سکتی ہیں۔ اصلِ نماز یعنی توجہ الی اللہ کو کسی وقت بھی ترک کرنے کا حکم نہیں ہے۔

(۱۰) ہر مسلمان کو نماز کے بالخصوص اور قرآن کریم کے عموماً معنی اور مفہوم معلوم ہونے چاہئیں جو لوگ صرف نماز کے لفظوں کو بغیر ان کی اصلیت اور ان کے معنی جاننے کے رٹتے رہتے ہیں وہ "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ" کی زد میں آجاتے ہیں۔

(۱۱) ظاہری اعمالِ نماز مثل قالب کے ہیں اور اس کی ایک حقیقت بھی ہے جو کہ نماز کی روح ہے بغیر حقیقت قبولیت میں شک ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ کوئی کنیز بادشاہ کے ھدیہ کے لئے لیجائے اور وہ زندہ تو ہو مگر کان۔ ناک ہاتھ۔ پاؤں نہ رکھتی ہو تو یہ خطرے کی بات ہے

(۳۵) وہ دولتِ رویت جو سرورِ عالمیان ؐ کو معراج کی رات بہشت میں میسر ہوئی تھی وہ دولت دنیا میں نازل ہونے کے بعد اس جہان کے مناسب آپؐ کو نماز میں حاصل ہوئی۔

(۳۶) یہ جہان اگرچہ رویت کی طاقت نہیں رکھتا لیکن اگر نماز کا حکم نہ ہوتا تو چہرۂ مقصود سے نقاب کون اٹھاتا اور طالب کو مطلوب کی طرف کون رہنمائی کرتا۔ نماز ہی غمزدوں کی غمگسار ہے اور نماز ہی بیماروں کیلئے راحت بخش ہے۔

(۳۷) جب نماز درست ہو جائے نجات کی بڑی بھاری امید ہے کیونکہ نماز قائم ہونے سے دین قائم ہو جاتا ہے اور مراتب کی بلندی کا معراج پورا ہو جاتا ہے۔

(۳۸) نماز سب طاعتوں سے زیادہ مقرب بنانے والی ہے۔

(۳۹) نماز برائیوں اور بےحیائیوں سے بچاتی ہے۔

(۴۰) دنیا میں نہایت قرب نماز میں ہے اور آخرت میں رویت کے وقت۔ اصل مقصد نماز ہے باقی تمام عبادات نماز کے لئے وسیلہ ہیں۔

(۴۱) نماز ہی میں لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ ہوا ہے۔ نماز ہی میں پیغمبر ؐ راحت ڈھونڈتے ہیں۔

مذکورۂ بالا فضائل و برکات نماز پڑھکر ایک ایماندار کے دل میں فطرۃً نماز کی پابندی کی تحریص و ترغیب پیدا ہوتی ہے۔ لیکن افسوس جب کبھی وہ ایسے مضامین سنتا یا پڑھتا ہے جن میں لکھا ہوتا ہے۔ کہ

(۱) جس شخص کی نماز اس کو بےحیائی و بدی سے نہیں روکتی اس کی نماز کام کی نہیں سوائے اس کے کہ خدا تعالےٰ سے دوری ہو۔

(۲) اللہ تعالےٰ کی عظمت و جبروت کا جب تک نماز میں دل پر اثر پیدا نہ ہو ایسی نماز بے فائدہ ہے۔

(۳) جس نماز میں دل حاضر نہ ہو حق تعالےٰ اسکو دیکھتا بھی نہیں۔ بلکہ وہ عذاب کے پاس ہے ایک بے اثر اور بے ثواب رسم ہے۔

(۴) جو کوئی نماز میں خاشع نہ ہو اس کی نماز درست نہیں۔

(۵) نماز صرف خدا کے حضور سلام ہے مگر عبادت قطعاً نہیں۔ عبادتِ خدا نماز کے بعد سے شروع

نفوس اِتائی بتائی جتائے۔ ایک ایسا غلط طریقہ ہے جو اس زمانے میں نہایت گمراہ کن ہے۔ جبکہ اکثر مسلمان کفار کے ساتھ میل جول اور محبّت بڑھانے کی وجہ سے نماز کی طرف سے خود بخود غافل ہوتے چلے جارہے ہیں ایسی تقریریں ان لوگوں کے لئے اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ بن جاتی ہیں۔ ایک کم گو کو خاموشی کے فوائد جتاتا یا ایک کھلنڈرے لڑکے کو ورزش کرنے کے نفع سمجھاتا جس طرح نقصان دہ اور مہلک ہیں اسی طرح اس زمانہ میں نماز کی صورت کو اُٹھک بیٹھک۔ لایعنی حرکات کا مجموعہ اور بے اثر ما حضار گرنا بتانا گویا ایک ایماندار کے رہے سہے ایمان کو بھی زائل کردینا ہے حالانکہ اگلے صفحوں میں یہ واضح کرد کھایا جائے گا کہ جسمانی حصہ نماز ہی فی الحقیقت نماز ہے اور اس کے روحانی حصہ سے زیادہ سودمند ہے

اصل مضمون شروع کرنے سے پہلے چند مقدمات لکھے جاتے ہیں جنہیں پیش نظر رکھنے سے امید ہے کہ باقیماندہ تحریر سمجھنے میں آسانی پیدا ہوجائیگی۔ ان مقدموں کی پوری وضاحت کے لئے تو ایک علیحدہ کتاب درکار ہوتی مگر یہاں صرف مختصر اشاروں پر اکتفا کیا گیا ہے "اَلْعَاقِلُ تَكْفِيْهِ الْاِشَارَةُ" تاکہ نفس مضمون تک پہونچنے میں طوالت نہ ہوجائے۔

پہلا مقدمہ یہ ہے "کہ عقل مذہب کے ہر ایک حکم کو سمجھ نہیں سکتی"۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے "کہ اعمالِ جوارح نفس ایمان کو نہ گھٹا سکتے ہیں اور نہ بڑھا سکتے ہیں"۔

تیسرا مقدمہ یہ ہے "کہ مرتبۂ نبوت میں توجہ الی اللہ کی ضرورت نہیں"۔

چوتھا مقدمہ یہ ہے "کہ مادہ یعنی عالم خلق روح یعنی عالم امر سے اسبق و افضل ہے"۔

کہ قبول ہو یا نہ ہو۔

(۱۲) نماز کی صحت کی اوّلین شرط جماعت ہے اگر کوئی شخص باوجود قادر ہونے کے جماعت کی کی نماز کا پابند نہیں ہے تو پھر تنہا نماز پڑھنے سے کوئی فائدہ مترتب نہیں ہو سکتا اور ایسی صورت میں یہی بہتر ہے کہ بجائے نماز کے کوئی اور صورت تربیت نفس و تزکیہ اخلاق کی پیدا کرے۔

(۱۳) ان نمازیوں کیلئے "ویل" ہے جو باوجود نماز پڑھنے کے نماز کی حقیقت سے بے خبر ہیں جن لوگوں کے دلوں میں مخلوق خدا کی ہمدردی پیدا نہیں ہوتی ان کی نماز نے انہیں کچھ فائدہ نہیں دیا

کبھی سر بہ سجدہ ہوا جو میں تو زمیں سے آنے لگی صدا — ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

(اقبال)

(۱۴) نماز و عبادت سے اصل مقصود صرف ایک کیفیت عبودیت اپنے اوپر طاری کرنا اور معاصی و مناہی سے محترز رہنے کا عہد واثق کرنا ہے۔

نماز گذاردن کار بیوہ زنان است — روزہ داشتن صرفہ نان است

حج کردن تماشائے جہان است — دل بدست آر کہ کار مردان است

(۱۵) کوئی شخص صرف نماز کی رکعتوں کو رسماً ادا کرکے عبد خدا نہیں بن سکتا۔

تو قدرتاً مومن مسلمان کا دل نماز کی صورت تک سے بیزار ہو جاتا ہے بلکہ وہ نمازیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے اور اپنی دانست میں مغالطہ کھا کر تمام گذشتہ و حال کے نماز گذاروں سے اپنے تئیں بہتر سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اور اپنے سادہ قلب و دماغ کو قسم قسم کے غلط عقائد کا مرکز بنا بیٹھتا ہے۔

اس سے اس قدر ضرور پتہ چلا کہ نماز جیسے اہم فرض کو سبک اور قابل نفریں بنانے والی تحریریں و تقریریں وہی ہوتی ہیں جو نماز کے روحانی حصہ کو اس کے جسمانی حصہ پر افضل بنانے اور بتلانے کے لئے کی جاتی ہیں۔ افسوس کہ ایسی ہی تحریروں اور تقریروں نے مسلمانوں کے ایک بڑے حصہ کو بے نمازی بنا دیا ہے اور بناتی رہینگی۔

یہ میں مانتا ہوں کہ روحانی حصہ کے بغیر نماز کا صرف جسمانی حصہ نماز کو کامل و مکمل نہیں بناتا لیکن نماز کو اس رنگ میں پیش کرنا جس سے اس کی غرض و غایت صرف تکیف دل اور تکمیل

اقلیدس جیسے حکماء نے اختیار کیا تھا۔

(۳) عقل کا تیسرا رُخ وہ ہے جہاں اس کا کامل تعطل ہے معاملات معاد میں اور جہاں ملحدینِ بے علم و منکرینِ کم عقل نظر آتے ہیں اور

(۴) عقل کا چوتھا رُخ وہ ہے جہاں معاملات معاد میں اس کا کامل انہماک ہے اس جگہ امام غزالیؒ و امام رازیؒ جیسے بزرگ اقامت گزیں ہیں۔

ان کے علاوہ اور بہت سے اقسامِ عقلائیں مگر وہ سب کے سب ان ہی مندرجہ بالا چار پہلوؤں کے امتزاج سے بنے اور بنتے رہیں گے۔

شریعت محمدیؐ نے ان چار حدوں کے درمیان رہنے کا حکم دیا ہے کیونکہ وسط ہی میں حق ہوتا ہے خیر الامور اوسطہا۔ یعنی نہ تو کامل طور سے دنیا میں مستغرق ہو جاؤ اور نہ ہی رہبانیت اختیار کرو۔ بلکہ دنیا میں رہ کر عقل کو اس قدر کام میں لاؤ کہ تمہاری زیست احکام خداوندی پر عمل پیرا رہنے کے لائق بنی رہے اور بس۔ اسی طرح دینی معاملات میں حکم دیا کہ نہ تو بالکل ہر اس بات کو جسے مکار لوگ دین بتا کر تمہارے سامنے پیش کریں بغیر پس و پیش قبول کر لو اور نہ ہی ہر اس بات میں جس کو اللہ والے دین بتا کر تمہارے رُوبرو عرض کریں حجت بازی کرنے لگو اور علم دریافت کرنے کے پیچھے پڑ جاؤ۔ اسی لئے جو لوگ معاد کے معاملات میں اِن حدود سے متجاوز کر جاتے ہیں وہ خسارہ اٹھاتے ہیں اور عقل سے اس کی بساط سے زیادہ کام لینے کی وجہ سے نادرست عقائد و غلط فیصلے مان بیٹھتے ہیں۔

چونکہ یہ معلوم کرنا بڑا دشوار کام تھا کہ دین بتانے والوں میں کون مکار ہے اور کون اللہ والا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ رب العالمین او ارحم الراحمین نے یہ کام انسانی عقل پر نہیں چھوڑا کیونکہ عقل انسانی بوجہ اختلاف استعداد ایک ہی بات کے مختلف فیصلے دیتی جیسا کہ اکثر دیتی ہے تو صراط مستقیم کا پانا ہر طالب حق کے لئے محال ہو جاتا۔ بلکہ یہ کام بھی اس محسن حقیقی نے خود ہی اپنے ذمے لیا اور ایک قانون فطرت یعنی قرآنِ مجید فرقانِ حمید اسی لئے ہماری ہدایت کے لئے نازل فرمایا تاکہ اس کے مطابق ہر حق جو راستی پسند اپنے

پہلا مقدمہ

مذہب کے معاملہ میں عقل کا مقام

بظاہر یہ تخیل کہ "خدا کے احکام میں عقل کو کچھ دخل نہیں" ایک حق طلب قوم کے لئے مہلک نظر آتا ہے اور عقلمند اپنے پندار میں اس وہم مزن اور لب تکشا تخیل کو فقدان عمل کا سبب جانتے ہیں۔ لیکن ٹھنڈے دل سے اگر اس پر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ فی الحقیقت یہ تخیل ہر ذی فہم کے لئے نہایت سود مند۔ راحت افزا اور یقین پرور ہے۔ اللہ تعالے نے جو نعمتیں انسان کو بخشی ہیں ان میں سے بے انت تو اسے معلوم ہی نہیں اور جسقدر معلوم ہوئی بھی ہیں افسوس کہ انہیں سے اکثر کا صحیح استعمال کرنا اسے معلوم نہ ہو سکا۔ اور ایسی غلط مستعمل نعمتوں میں سے ایک بڑی بھاری نعمت عقل ہے جسکو بعض لوگ تو قطعاً بیکار چھوڑ کر اس کی واقعی انتہائی ناشکری کرتے ہیں۔ بعض اس کو غلط مقام پر یا نامناسب وقت و موقع پر یا ضرورت سے زیادہ یا کم طاقت کے ساتھ استعمال کرکے غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ بعض سہل پسند کوتاہ فہم اس نعمت کو معاملات معاش کے علاوہ معاملات معاد میں استعمال ہی نہیں کرتے۔ اکثر غوی زیرک اس کا استعمال معاش و معاد ہر دو معاملات میں یکساں کرنے لگتے ہیں جہاں اس کی رسائی نہیں۔ اس افراط و تفریط کے درمیان ایک مقام وسط ہے اور وہی عقل کی جولانگاہ ہے جس کے اندر کارفرما ہو کر یہ کامیاب ہو جاتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس جولانگاہ عقل کی حدود اربعہ کیا ہیں عقل کے اس میدان تگ و تاز کو کسی قدر سمجھنے کے لئے اس کے مندرجہ ذیل چار پہلوؤں پر غور کرنا مناسب ہے۔

(۱) عقل کا ایک پہلو تو معاملات معاش میں اس کا کامل تعطل و بے پرواہی ہے جیسے دیوجانس کلبی جیسے عقلا نے اختیار کیا تھا۔

(۲) عقل کا دوسرا پہلو معاملات معاش میں اس کا کامل انہماک ہے جیسے سر اسحاق نیوٹن،

عقل رسول اللہ کے قائل ہیں ورنہ وہ یوں تضیع اوقات نہ کرتے۔ مگر ہاں اس سے یہ نہ مراد لے لی جائے کہ اگر کسی حکم کی غرض و غایت عقل معلوم کرلے تو یہ کوئی اس نے بری بات کی نہیں ہرگز نہیں۔ تلاشِ غرض و غایتِ احکام الٰہی غرض و غایتِ تخلیقِ انسانی نہیں بلکہ غرض تو اس کی پیدائش سے صرف ان احکامات پر چلنا ہے اور بس۔ ہاں کسی وقت تعمیل احکامات میں خلل انداز ہوئے بغیر البتہ کسی حکم کی غرض اگر عقل نے معلوم کرلی تو کوئی ہرج بھی نہیں ممکن ہے یہ تفتیش اس کے لئے ازدیاد ایمان کا باعث بن جائے۔ لیکن کمال ایمان یہی ہے کہ کسی حکم کی غرض معلوم کئے بغیر اس کی تعمیل کی جائے۔ اسی لئے شاید احکامات حج میں رمی جمرات کا حکم دیگر حج کے فریضہ کو اور فرائض کی نسبت اس قدر ذی شان بنا دیا کہ ایک حج مبرور کرنے والے حاجی کو اس کے تمام گذشتہ گناہوں کی (خواہ صغیرہ ہوں خواہ کبیرہ خواہ حقوق اللہ کے ہوں خواہ حقوق العباد کے) معافی کی خوشخبری دیدی یہ مژدہ غالباً اس جزو رمیٔ جمرات کی وجہ سے حاصل ہوا کیونکہ آجتک دانایانِ اسلام رمیٔ جمرات کی غرض معلوم نہ کرسکے سوائے اس قدر کہہ دینے کے کہ "اس کی غرض ہی بے غرضی ہے"۔ کسی حکم کی غایت سمجھکر اس کی تعمیل کرنا میرے نزدیک حکم خدا کی تعمیل خالصاً کرنا نہیں بلکہ اس غرض کی شمولیت سے اس قسم کی تعمیل میں شرک کی بو آتی ہے جس سے بچنے کے لئے محتاط طریقہ یہی ہے کہ ایک مسلم نبی برحق کو برحق مان لینے کے بعد پھر کسی حکم کے اغراض و مقاصد کا پتہ چلانے کے پیچھے عقلیں نہ دوڑاتا پھرے کیونکہ یہ طریقہ اکثر مہلک ثابت ہوا ہے۔ ایک مریض کے لئے طبیب حاذق کے بتائے ہوئے نسخہ کو پینا اس نسخے کے اجزائے ترکیبی و خواص ادویہ معلوم کرنے سے زیادہ مفید ہے بلکہ بعض اوقات ایسا مریض دیر سے اور مشکل سے شفا پاتا ہے کیونکہ ایسا مریض نسخہ سمجھے بغیر دوا نہیں پیا کرتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ عقل کی امداد سے ان تمام دکانوں میں سے (جنہوں نے مخلوق کو سعادت دارین حاصل کرنے کے تمام سامان مہیا کرنے کا سائن بورڈ لگا رکھا ہے) اس دکان کو ڈھونڈھ نکالنے کی تکلیف تو ضرور ہر شخص کو اٹھانی پڑیگی جسکا سائن بورڈ واقعی سچا ہے۔ اس تمیز حق و باطل کے بعد عقل کا کام ختم ہو گیا۔ اور اس سچی دوکان کی تلاش کے بعد وحی نے عقل

دارین کے اعمال کو سدھار کر اپنی اندرونی صلاحیتوں کو بدرجہ کمال پہونچا سکے۔ اب دوسری مشکل عقل کیلئے یہ آن پڑی کہ یہ بات کس طرح تسلیم کر لی جائے کہ یہ قرآن مجید فی الواقع رَبُّ العَالمین کا نازل کردہ قانونِ فطرت ہے یا یونہی کسی نے اپنی طرف سے بنا کر اللہ تبارک و تعالےٰ کے نام پر اس کو منسوب کر دیا ہے تاکہ اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے رُعب میں آکر لوگ اس کو ماننے لگ جائیں اِس الجھن کو دور کرنے کے لئے بھی اُس رحمٰن ذوالمنان نے ایک ہستی پاک ہم ہی جیسے انسانوں میں پیدا کی جس کی سچائی پر کسی کو کبھی شبہ تک بھی نہیں آیا تھا اور پھر جب ایسے صادق اور امین کی زبان سے یہ سنا کہ "پروردگارِ عالم نے ہدایت خلق کے لئے مجھ پر اپنا کلام بھیجا ہے اور یہ آخری کلام ایسا ہے کہ تا قیامت ہر زمانے میں اس پر چلکر ہر ایک انسان دونوں جگ کی بھلائی پا سکے گا"۔ تو عقل اور عقل والوں کے پاس اور کوئی حجت نہ رہی اور ان کے لئے قرآن مجید کو ہی کلام الٰہی مان لینے کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ علاوہ ازیں خود اس کتاب میں یہ دعویٰ بھی درج ملا کہ "میں اللہ عزّوجل کی بھیجی ہوئی کتاب ہوں" اور مزید بر آں اس میں ایسی باتیں بھی پائی گئیں جن کو پڑھکر عقلائے زمانہ طوعاً و کرہاً مان گئے کہ عقل انسانی اگر باوجود جہد بلیغ و رائے صائب کے کسی پیچیدہ مسئلہ میں کوئی فیصلہ دیتی بھی تو آخر یہی دیتی جو پہلے سے اس کلام پاک میں موجود ہے۔ اس طرح عقل کے لئے اس رحیم و منعم نے اتنی تکلیف تو البتہ رکھی کہ وہ اپنے زمانے کے دوسرے مدعیان ہدایت میں سے رسول عرب و العجم نبی آخر الزماں صلعم کو ایک سچا پیغامبر اور اس کے لائے ہوئے پیغام کو ہدایت نامہ الٰہی پہچاننے کی کوشش کرے پھر اسکے بعد اس کو مذہبی معاملات میں مزید تفتیش کی تکلیف سے بالکل فارغبال کر دیا تاکہ وہ بغیر حیل و حجت اُن تمام ہدایتوں پر عمل پیرا ہو کر سعادت دارین حاصل کر سکے جو فرقان حمید میں اُتار دی گئی ہیں ؎

باز بانِ حال گوید روزگار — اے قصیر العمر گیر آموزگار

پس جو لوگ کلمہ پاک لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پر یقین لانے کے بعد بھی احکام خداوندی میں موشگافیاں نکالتے ہیں وہ سچ پوچھو تو بجائے کلمہ مذکور "لا الٰہ الا اللہ

کیونکہ ورنہ اس کا ہر قدم اس کو زاویۂ درست سے منحرف ہونے کی وجہ سے اصلی راہ سے (منزل مقصود سے) دور تر کرتا چلا جائے گا۔

دوسرا گروہ وہ ہے۔ جس نے سمت معلوم کرنے میں غلطی کھائی اور اپنی چال میں بھی وہ ایسا کمزور اور سست ہے کہ ہر ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے اور گر گر پڑتا ہے تو ایسا گروہ نہ تو کبھی منزل مقصود پر پہونچ سکے گا اور نہ ہی وہ تکالیف رفتار سے نجات پا سکے گا۔

تیسرا گروہ وہ ہے۔ جس نے سمت درست معلوم کی اور درست چال سے اپنے چل بھی پڑا وہ بالآخر اپنے مقام مطلوب کو پالے گا۔

چوتھا گروہ وہ ہے۔ جس نے سمت تو درست معلوم کی مگر اپنی ناطاقتی اور کم ہمتی کی وجہ سے گر گر پڑا وہ کبھی نہ کبھی دھکے کھاتا۔ تکلیفیں سہتا اپنے مطلوب کو حاصل کر ہی لے گا۔

مندرجہ بالا مثال کو مذہب پر پرکھئے تو واضح ہو جائیگا کہ دینیات میں سمت منزل کا معلوم کرنا ایمان ہے اور اس رستہ پر چلنا اعمال ہیں۔ پس پہلا گروہ چونکہ ایمان نہ پا سکا اس لئے اس کے اعمال اکارت گئے۔ اگرچہ اخلاقیات حاصل کرنے کی وجہ سے وہ دنیا کی زندگی امن و سلامتی سے گذاریگا۔ مگر بے ایمان ہونے کی وجہ سے دائمی عذاب جہنم بھگتے گا۔ دوسرا گروہ کفار بدکار کا ہے وہ دنیا میں بھی اپنی بداعمالیوں کے طفیل سزا پاتا رہا اور سمت راست یعنی ایمان حاصل نہ کرنے کے سبب منزل مقصود پر نہ پہونچنے کی وجہ سے ابدی سزائے نار بھی سہے گا۔ تیسرا گروہ ان بزرگوں کا ہے جنہوں نے ایمان بھی حاصل کیا اور اعمال نیک بھی کرتے رہے یہی طبقہ دارین میں فلاح یافتہ اور فائز المرام ہے اور چوتھا گروہ اُن ایمانداروں کا ہے جن کا اعمال صالحہ نہیں وہ اپنے اعمال کی خرابیوں کی عقوبت دنیا و آخرت میں بھگتنے کے بعد لڑھکتے لڑھکاتے بوجہ ایمان انجام کار نجات پا جائیں گے۔

بعض لوگ ایمان کی تعریف صرف اسی قدر سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالے کی ہستی پر یقین لے آئے اور بس اور اسی لئے وہ تمام مذاہب کو حق سمجھتے ہیں اور ان کے پیروؤں کو ایماندار بتاتے ہیں کیونکہ اللہ تبارک و تعالے کا تخیل کسی نہ کسی صورت میں ہر ایک قوم اور ہر ایک دین میں

کی جگہ لی جس کی اتباع بغیر چون وچرا ضروری ہے جو لوگ وحی کی جولانگاہ میں عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں وہ اکثر ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔

ایک اور بات بتانا بھی ضروری ہے کہ اس بیان سے کہیں یہ نہ یقین کر لیں کہ عقل وحی کے خلاف ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ وحی بعینہٖ عقل کے مطابق حکم دیتی ہے مغالطہ صرف اس بات میں پڑ جاتا ہے کہ عقل اپنی کمی پرواز کے باعث جہاں کہیں وحی کے احکام کی لِم دریافت نہیں کر سکتی وہاں وحی کے فیصلے کو بے وقوفی سے غلط قرار دے بیٹھتی ہے اور دارین کے خسارہ کا سبب بن جاتی ہے۔ ایسے موقع پر ایک عقلمند پر لازم ہے کہ اپنی عقل نابالغ کو متہم گردانے اور عقل بالغ یعنی وحی کے فیصلے کو بغیر حجت و انکار تسلیم کرے۔ یہی راہِ نجات و سلامتی ہے۔

دوسرا مقدمہ

اعمال جوارح نفس ایمان کو کم و بیش نہیں کر سکتے

یہ بات عام ہے اور ہر شخص اس کلیہ سے واقف ہے کہ اگر ایک راہبر دیح العقل والجسم ہے تو وہ اپنی منزل مقصود تک پہونچنے کے لئے پہلے اس منزل کی سمت دریافت کریگا اور رستے میں آنے والے مقامات اور نشانات کو اس منزل تک جا کر واپس آنے والوں سے پوچھے گا بعد ازاں وہ گامزن ہوگا۔ اس فطری قاعدہ کے لحاظ سے مختلف راہ رو اس دنیا میں نظر آتے ہیں ان میں سے ایک گروہ تو وہ ہے۔ جس نے سمت معلوم کرنے میں غلطی کھائی اگرچہ جسمانی طاقت کے لحاظ سے وہ تیز رو اور مضبوط قدم والا ہے تو ایسا گروہ اگر مرتے دم تک بھی راہ چلتا رہیگا۔ منزل مقصود تک ہرگز نہیں پہونچ سکتا۔ "ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کیں راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است"۔ کیونکہ اس کا چلنا بجائے منزل مقصود کے اس کو کسی اور طرف لے جا رہا ہے۔ بلکہ اگر ایسا گروہ بالکل نہ چلے اس کے لئے زیادہ بہتر ہوگا

(۷) ہے رہنمائے خلق عمل جس کے نیک ہوں — ہندو ہو یا عقیدہ میں وہ مسلمان ہو (ہا یوں)

(۸) شیخ کعبہ سے گیا واں تک برہمن دیر سے — ایک ہی دونوں کی منزل پھیر تھا کچھ راہ کا (داغ)

(۹) عقیدہ فی نفسہٖ کچھ شے نہیں جب تک اس عقیدے پر عمل نہیں یورپ کے بقول مسلمان ان کافروں میں اعمال کے لحاظ سے مقابلۃً اب بھی اچھی ہیں اسی لئے وہ صحیح معنوں میں متقی ہیں محبوب خدا ہیں اور اسی محبوبیت کے صدقے بادشاہت زمین کا انعام پا رہی ہیں

ایمان کی تعریف

ایمان کی تعریف واقعی وہی سچ ہے جو اوپر بیان کی گئی یا ایمان کی سچی اور صحیح تعریف کچھ اور ہے ان میں امتیاز کرنا بذریعہ دلائل عقلی بہت طول کلامی چاہتا ہے جس پر قلم اٹھانے سے اصل مضمون رہ جانے کا احتمال ہے اس لئے اس جگہ صرف اس قدر بیان کر دینا ہی کافی سمجھا گیا کہ ایمان کی تعریف بزبان نبی اُمی ناسخ شرائع اولین حدیث جبرائیلی میں یوں وارد ہوئی ہے:- (۱) اللہ تعالےٰ پر ایمان لانا- (۲) اس کے فرشتوں پر ایمان لانا- (۳) اُس کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان لانا (۴) اس کے فرستادہ رسولوں پر ایمان لانا (۵) قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان لانا- اور (۶) اس بات پر ایمان لانا کہ تمام نیکیوں اور بدیوں کا اندازہ اللہ تعالےٰ نے پہلے سے ہی لگا رکھا ہے- اور اسلام کی تعریف یوں بیان فرمائی ہے:- (۱) اللہ تعالےٰ کو ایک اور قابل عبادت ماننا (۲) محمدؐ صلعم کو آخری نبی ماننا (۳) نماز پڑھنا (۴) روزہ رکھنا (۵) زکوٰۃ ادا کرنا اگر مالدار ہے (۶) حج کرنا اگر استطاعت رکھتا ہے-

اور چونکہ پہلے مقدمہ میں بتایا جا چکا ہے کہ ہادیٔ اعظم محمدؐ صلعم کو برحق نبی تسلیم کر لینے کے بعد ان کے فرمودہ اقوال و احکام کو جو وحی متلو یا غیر متلو سے صادر ہوئے ہیں کسی عقلمند کو یہ حق باقی نہیں رہتا کہ وہ اپنی طرف سے کوئی نئی تعریف ایمان کی بنا کر اُسے ٹھیک سمجھنے لگ جائے- اس لئے ایمان کی تعریف جو مندرجہ بالا اقتباسات سے مترشح ہوتی ہے ضرور غلط ماننی پڑیگی اگر باایں ہمہ کوئی ایسی غلط تعریف کو صحیح تسلیم کریگا تو خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق

پایا جاتا ہے بعض اتنی مہربانی ضرور کر لیتے ہیں کہ اس آخری شریعت کے بتائے ہوئے تخیلِ خدا کو دوسروں کی نسبت ذرا بہتر تسلیم کر لیتے ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے لوگ رواداری اور اتحاد عالم کے خوش کن اقوال سنا سنا کر مسلمانوں کو رسالت کے منکر بنا رہے ہیں اور اخلاق کی بلندی کو ہی عین ایمان بتا بتا کر صورت شریعت سے مومنوں کو بیزار و متنفر کر رہے ہیں چند اقتباسات ذیل میں نمونۃً درج کئے جاتے ہیں:۔

(۱) ایک غیر مسلم اگر ان تمام مکارم اخلاق اور محاسن فطرت سے آراستہ ہے جن کی محمد صلعم نے تعلیم دی تو کافر اور جہنمی نہیں البتہ ایک مسلم اگر حد درجہ ظالم۔ بے رحم مجرم اور شقی ہے وہ ناری ہے۔

(۲) اگر اخلاق درست ہیں تو ایک یہودی بھی مسلمان ہے ایک مسیحی بھی مسلماں ہے ایک ہندو بھی مسلمان ہے خواہ وہ کوٹ پتلون میں نظر آئے خواہ وہ چوٹی و زنار میں۔ اسلام نام ہے نہ ریش دراز کا نہ اونچے پائجامہ کا۔ اسلام نہ اذان کا پابند ہے نہ روزہ و حج کا۔ اسلام نہ کسی خاص مسمیٰ سے عبارت ہے اور نہ کسی مخصوص شکل و شمائل سے بلکہ اسلام نام ہے صرف صداقت کا۔ محض علوئے نفس و بلندئ اخلاق اور خدائے واحد کی پرستش کا۔ قوائے بہیمیہ سے بچنے کا اور یہی وہ پیغام تھا جسے دنیا کا سب سے پہلا رسول لایا اور تا روز قیامت جو ہادی و مصلح آئیگا پھر اسی پیغام کی تکرار کریگا۔ لَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ۔

(۳) دین کے معنی کسی شخص کا مسلمان ہونا یا نصرانی ہونا یا یہودی ہونا نہیں بلکہ ہر غلام کا اپنے آقا کے حق میں طرز عمل ہی اس کا دین ہے۔

(۴) خدا کو اپنی دوستی میں کسی ملک یا مذہب کی کچھ تخصیص نہیں۔

(۵) کوئی قوم جس کی دنیا درست نہیں متقی ہونے کی مصداق نہیں ہو سکتی۔

(۶) "وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا" کا مطلب آج لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جب تک کوئی تنقہ نا برہمن اپنی چٹیا کاٹ کر اور زنار توڑ کر کسی امام مسجد کے ہاتھ پر اس کے کہنے کے مطابق کلمۂ شہادت نہ پڑھ لیگا تب تک اس بچارے کو قیامت کے دن گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔

ایک غیر مسلم ظالم فاسق کو ایمان لانے پر اس کے گذشتہ کبیرہ و صغیرہ گناہوں کی بشارت کیوں دیجاتی اور ایک اعمال صالحہ بجانے والے مسلم کو ایمان ترک کر دینے پر (یعنی مرتد ہو جانے پر) قتل کیوں کیا جاتا؟

اب اصل مضمون کی طرف آتا ہوں کہ نفس چلنا کسی مسافر کی سمت کو نہ گھٹا بڑھا سکتا ہے اور نہ بدل سکتا ہے جبتک کہ وہ توجہ کے قبلہ کو خود ہی نہ بدل لے اس سے معلوم ہوا کہ نفس ایمان اعمال جوارح سے کم و بیش نہیں ہوتا کیونکہ چلتے وقت تیز اور لمبے قدم ڈالنا یا کھڑے ہو جانا یا لڑکھڑا جانا وغیرہ (یعنی اعمال نیک و بد) نفس سمت (یعنی ایمان کو) کم و بیش نہیں کیا کرتے اسی لئے امام اعظمؒ نے فرمایا ہے کہ ایمان کم و بیش نہیں ہوتا کیونکہ ایمان یعنی معرفت جب عجز از معرفت کا نام ہے تو عجز میں مراتب نہیں ہوا کرتے تاکہ ان پر کم و بیش کا اطلاق ہو سکے۔ نابینا ہو جانے پر یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ زیادہ اندھا ہے اور یہ کم اندھا ہے۔ مراتب و مدارج صرف بینائی کے متعلق پیدا ہوتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ اعمال صالحہ سے ایمان صیقل ضرور ہوتا ہے مگر نفس ایمان کو وہ گھٹا بڑھا نہیں سکتے۔

تیسرا مقدمہ

مرتبۂ نبوت میں توجہ الی اللہ کی ضرورت نہیں

توجہ کے لحاظ سے انسان کی چار قسمیں ہیں:۔

(۱) ایک وہ جو ظاہر اور باطن میں خداوند تعالےٰ کی طرف متوجہ ہیں۔

(۲) دوسرے وہ جو ظاہر میں مخلوق کی طرف اور باطن میں خالق کی طرف متوجہ ہیں۔

(۳) تیسرے وہ جو ظاہر میں خالق کی طرف اور باطن میں مخلوق کی طرف متوجہ ہیں۔ اور

ہوگا پس ایک مسلمان مسلمان ہوتے ہوئے مندرجہ بالا مزخرفات کو قبول نہیں کر سکتا۔

علاوہ ازیں اس امت مرحومہ کے ایک بڑے گروہ کا ایک متفقہ فیصلہ رہا ہے اور انشاء اللہ تعالےٰ رہے گا اور اب بھی ہے کہ ایک اعلیٰ درجہ کا نیک کردار کافر بھی ایک کامل ترین بداعمال سے مومن کمتر ہے اور یہ قول رسول اللہؐ تو سنا ہی ہوگا کہ (۱) میری امت کا بڑا گروہ کبھی گمراہی پر اتفاق نہ کریگا پس تم پر لازم ہے کہ ہمیشہ بڑے گروہ کے ساتھ رہو۔

حضرت مجددؒ الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ

(۱) عمل کی سستی اور غفلت پر مغفرت کی امید ہے لیکن اعتقادی سستی میں مغفرت کی گنجائش نہیں (۲) مومن گناہ کبیرہ سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ ہاں کبیرہ کو حلال جاننا کفر ہے اور اس کا کرنا فسق (۳) اعضاء کے اعمال نفس ایمان سے خارج ہیں لیکن ایمان میں کمال کو بڑھاتے ہیں اور خوبی پیدا کرتے ہیں۔ (۴) کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

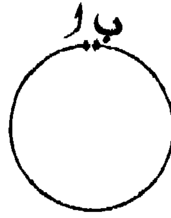
ہر کرا اعتقاد پاک بود۔ از قصور عمل چہ باک بود

مثلاً ایک پھوہڑ گھر والی اگرچہ اپنے گھر کا انتظام کما حقہٗ نہیں کر سکتی مگر اپنے خاوند کو خاوند مانتے ہوئے اس کے حقوق خاوندی کی حفاظت کرتی ہے تو وہ لائق قبولیت ہے برخلاف ایک ایسی عورت کے جو گھر کے بناؤ سنگار میں تو اعلیٰ سلیقہ رکھتی ہے مگر حقوق شوہر میں خائن ہے وہ قابل رجم یا لائق لعنت یا کم از کم طلاق کی مستحق تو ضرور ہے یا جس طرح ایک ملزم اپنے بادشاہ کے احکام کی نافرمانی پر بھی اس کی ایک رعایا ہے اور قابل التفات و رحم برخلاف ایک نیک کردار باغی کے جو ہر ذی فہم کے نزدیک واجب القتل ہے۔

اگر ایمان کی تعریف صرف خدا پر ایمان لانا ہوتا تو ابولہب۔ ابوطالب۔ ابوجہل جیسے کفار مکہ تو پہلے سے ہی خدا کے قائل تھے ان کو نبی اکرمؐ نے اپنی نبوت کا اقرار کرنے کے لئے کیوں مجبور کیا اور ان کے اس انکار سے انہیں کیوں کافر جانا؟

یا اگر اسلام صرف خدا پر ایمان لانا اور رسول کریمؐ کو نبی برحق ماننا ہی ہوتا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ زکوٰۃ نہ دینے والے مسلمانوں کے ساتھ جہاد کیوں کرتے اور فقہا نماز محمدی کے منکر کو واجب القتل کیوں بتاتے؟

دیکھیں۔



یہ تو معلوم ہی ہے کہ ہر دائرہ نقاط سے ترتیب پاتا ہے اس نقشہ میں دائرہ کا پہلا نقطہ اگر ا ہے تو آخری نقطہ ب ہے آپ دیکھیں گے کہ نقطہ ا اور نقطہ ب بالکل ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ پس توجہ کے لحاظ سے عوام کالانعام نقطہ ا پر ہیں اور انبیا علیہم السلام نقطہ ب پر ہیں یعنی ہر دو توجہ کے لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ اسی لئے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ عوام ہمہ تن ظاہر و باطن میں متوجہ بہ مخلوق ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام بھی ہمہ تن ظاہر و باطن میں، عوام کی طرح متوجہ بہ مخلوق ہوتے ہیں ورنہ بوجہ غیر مشابہت تبلیغ میں کوتاہی رہ جاتی اسی لئے فرشتے ہدایت انسان کے لئے نہ بھیجے گئے۔

ہاں فرق صرف اس قدر ہے کہ نقطۂ ا کی جس طرف پیٹھ ہے نقطۂ ب کا اس طرف منہ ہے۔ (یعنی عوام بشر خدا کی طرف پیٹھ کئے ہوئے ہوتے ہیں (یعنی خدا سے غافل یعنی مشغول بہ دنیا ہوتے ہیں) اور اپنے نفس کی طرف منہ کئے ہوتے اور مرتبۂ نبوت والے اولیاء اللہ اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نفس کی طرف پیٹھ کئے ہوئے ہوتے ہیں اور خداوند تعالےٰ کی طرف منہ۔ اسی لئے ارشاد ہوتا ہے قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ یعنی کہدے اے رسول صؐ کہ میں (توجہ کے لحاظ سے) بالکل تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہوں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ہمارے نبی اکرم صؐ کے سوا کسی اور نبی نے اپنے تئیں "بشر" مثلکم نہیں فرمایا۔ لفظ "بشر" تک تو البتہ استعمال فرمایا ہے۔

جو لوگ، توجہ الی اللہ کو انتہائے کمال انسانی سمجھ بیٹھے ہیں وہ بعض اوقات اپنے عقائد صحیحہ میں شبہ کرنے لگ جاتے ہیں یا ان کو غلط تصور کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً بعض صرف اس بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو (جو عبادت الٰہی کے وقت اس قدر محو ہو جایا کرتے تھے کہ سنا ہے ایک دفعہ پاؤں سے تیر نکالنے کی تکلیف تک جناب کو محسوس نہ ہوئی تھی) ان بزرگواروں سے افضل ماننے لگ جاتے ہیں جنہوں نے اپنی نماز کے متعلق فرمایا کہ "میں سجدہ کے اندر افواج

(۴) چوتھے وہ جو ظاہر اور باطن میں غیر اللہ کی طرف متوجہ ہیں۔
پہلی قسم کو مجذوب کہتے ہیں۔ یہ پاگلوں کے مشابہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ایک دیوانہ اور مجذوب میں توجہ الی اللہ وجہ شناخت ہے دیوانہ میں توجہ الی اللہ نہیں ہوتی اور مجذوب میں ہوتی ہے۔
دوسری قسم ان اولیاء اللہ کی ہے جو سالک ہیں اور دوران عروج یا دوران نزول لطیفۂ قلب یا نفس پر انہوں نے اپنا قیام کر رکھا ہے۔
تیسری قسم ریاکاروں اور مکاروں کی ہے جو دنیا والوں کو لوٹنے اور گمراہ کرنے کیلئے اللہ والے بنے پھرتے ہیں۔
چوتھی قسم عوام کالانعام کی ہے جو ہمہ تن مشغول بہ دنیا یعنی غیر اللہ ہیں۔
مندرجہ بالا چاروں قسمیں ان لوگوں کی ہیں جو براستۂ ولایت واصل الی اللہ ہوتے ہیں ہیں یا ہو سکتے ہیں لیکن جو بزرگوار شاہراہ نبوت کے ذریعہ واصل الی اللہ ہوتے ہیں وہ ان میں سے کسی ایک قسم میں بھی نہیں آتے کیونکہ مرتبۂ نبوت میں توجہ الی اللہ کی چنداں ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اگر مرتبۂ نبوت کے بزرگوار توجہ الی اللہ کریں تو ممکن الوقوع اور جائز ہے لیکن توجہ اُن کے اصلی کاموں میں اکثر ہرج ہی پیدا کرتی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ توجہ کرنے والے کو ایسی شے کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت پڑا کرتی ہے جو اس سے کوئی الگ شے ہو اور اللہ تعالےٰ کی ذات پاک و مقدس چونکہ مرتبۂ نبوت کے ان بزرگوں کو ایسی محسوس ہوتی ہے جیسے عوام بشر کو اس کا اپنا نفس محسوس ہوتا ہے اس لئے ایک نبی کو خداوند تعالےٰ کی طرف توجہ کی احتیاج نہیں رہتی کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اپنے نفس کی طرف توجہ کرنے کی کبھی بھی کسی انسان کو ضرورت نہیں پڑتی بلکہ ہر انسان دوسرے انسان سے (ظاہر و باطن میں) ہمہ تن متوجہ ہو کر بات کرتے وقت بھی خود اپنے نفس کی تکلیف و آرام کو محسوس کرتا رہتا ہے۔ مثلاً دوران گفتگو ہی میں اگر کسی شخص کے کھجلی بدن میں ہو جائے تو اسے کھجلا لیتا ہے یا اگر مچھر یا چیونٹی وغیرہ کاٹے تو اسے دور کر لیتا ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ ہر جاندار کے نزدیک اس کا اپنا نفس بوجہ انتہائے قرب بغیر توجہ ہی ہر وقت حاضر و محسوس رہتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ ذیل کے دائرہ کو

مرتبۂ نبوت میں اس کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔

چوتھا مقدمہ

جسم روح سے افضل ہے

انسان عالم کبیر یعنی کائنات کا لب لباب ہے۔ عالم کبیر میں جسطرح عالم امر و عالم خلق ہے اسی طرح عالم صغیر یعنی انسان میں بھی عالم امر (یعنی نفس۔ قلب۔ روح۔ سر۔ خفی۔ اخفی وغیرہ) اور عالم خلق (یعنی مٹی۔ پانی۔ آگ۔ ہوا وغیرہ) ہے۔

یہ بات تو ماننی پڑیگی کہ عالم خلق کی وساطت کے بغیر عالم امر اپنے انتہائے کمال کو نہ پا سکتا اور عالم امر کی مدد کے بغیر عالم خلق اپنی تکمیل نہ کر سکتا۔ کیونکہ روح جسد عنصری میں داخل ہونے سے پہلے اگرچہ اپنے اندر دیدار الٰہی سے مستفیض ہونے کی صلاحیت ضرور رکھتی تھی لیکن وہ جب تک خود کو جسد کی تاریکی میں مقید کرنے پر رضامند نہ ہوئی اُس مادہ صلاحیت کو جسم کے اندر تربیت کرتے کرتے دیدار الٰہی کے قابل نہ بنا سکی۔ اسی طرح تنہا عالم خلق نعمائے عقبیٰ سے حظ اٹھانے کا اہل نہ بن سکتا جب تک کہ روح کو اپنی طرف منجذب کرکے اس کی مدد سے احکام شریعت حقہ کی بجا آوری میں ہمہ تن مشغول نہ ہو جاتا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا عالم خلق عالم امر سے افضل ہے یا عالم امر عالم خلق سے۔ مذکورہ بالا امداد باہمی میں اگر عالم خلق کی درستی مقصود تخلیق انسانی ثابت ہو جائے اور عالم امر اُس مقصد کے حاصل کرنے کا محض ایک ذریعہ ہو تو پھر کسی کو انکار کی گنجائش باقی نہ رہیگی کہ عالم خلق عالم امر سے افضل ہے۔

اس معاملہ کو سمجھانے کے لئے چند اشارات درج کئے جاتے ہیں جس سے دانشمند لوگوں کو یقین آجائے گا کہ عالم خلق یعنی مادہ مخدوم ہے اور عالم امر یعنی روح وغیرہ اس کا خادم۔

کی ترتیب سوچ لیتا ہوں"۔ حالانکہ موخرالذکر بزرگ حضرت عمرؓ کا قول مرتبۂ نبوت کی رسائی کی خبر دے رہا ہے اگرچہ وہ نبی نہیں اور اول الذکر بزرگ کا خیال مرتبۂ ولایت کی رسائی کا۔ اور یہہ معلوم ہی ہے کہ ولایت کی مثال نبوت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ذرہ کی آفتاب کے سامنے۔ اور یہہ عقیدہ مسلّم ہے کہ جو حضرت علیؓ کو پہلے خلفائے ثلاثہؓ پر فضیلت دے وہ صحیح معنوں میں مسلمان نہیں رہتا۔

یا بعض حضرت بابا فرالدین گنج شکرؒ کو (جو اپنے جوان بیٹوں کی وفات پر ذرا بھی غمگین نہ ہوئے تھے) خود سرور کائنات صلعم سے بڑھکر سمجھنے لگتے ہیں جنہوں نے اپنے چھوٹے بچے حضرت ابراہیمؑ کی وفات پر غم کا بہت اظہار فرمایا تھا اور اشک مبارک چشم سے ٹپک پڑے تھے۔ حالانکہ یہہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ کوئی ولی کسی صحابی کے مرتبہ تک کو نہیں پہونچ سکتا چہ جائیکہ کسی نبیؑ یا خود سردار انبیاءؐ کے مرتبہ تک پہونچ جائے۔

بعض سمادھی لینے کو یا نفس ناطقہ کو ایسا سادھ لینے کو کہ اس پر نہ رنج اثر کر سکے اور نہ راحت کمال انسانی گردانتے ہیں۔ ان بچاروں نے اسی لئے ولایت کو نبوت سے افضل سمجھ لیا۔ ولایت محبّت چاہتی ہے اور نبوت ادب۔ محبّت میں اجمال ہے اور ادب میں تفصیل اسی لئے ولایت والے سلب صفات بشریت کو بڑا بھاری مرحلہ سمجھتے ہیں اور مرتبۂ نبوت میں ان صفات کو برقرار رکھنا ہی نہیں بلکہ ان صفات کو کمال پر رکھنا عزیز و مطلوب ہے کیونکہ شریعت جو تفصیل پر مبنی ہے وہ صفات کی تمیز کے لئے صفات کا وجود چاہتی ہے نہ کہ ان کا سلب۔

پس توجہ الی اللہ کا غلبہ اگرچند صفات بشریت کو سلب کر دیتا ہے تو اس طرح ایک سالک کو گو جذبہ حاصل ہو جائے یعنی وہ سالک مجذوب ہو جائے مگر انوار نبوت کے پروردہ سلب صفات کو گراں جانتے ہیں۔ اسی لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اس عالم مجاز میں ذات باری تعالیٰ کی محبت میں مستغرق ہونے سے اس ذات مستجمع صفات کے احکام میں لگے رہنا بہتر ہے۔

المختصر یہ کہ توجہ الی اللہ مراتب ولایت میں نہایت ضروری شے ہے مگر

مر پوشیدہ و مستور اور نبوّت ولایت سے افضل ہے ہی اس لئے عالم خلق عالم امر سے افضل ہوا۔

چند اور احکامات دینی نمونتہً بغرض غور و خوض لکھے جاتے ہیں:-

(۱) اگر کوئی مسلم اپنی آرزوں یعنی باطنی معبودوں (مَنِ اتَّخَذَ اِلٰہَہٗ ھَوٰہُ) کی عبادت میں دن رات مشغول رہتا ہے اور مرتے دم تک ایسے بتوں کو اپنے قلب میں جگہ دیئے ہوئے ہے تو بھی وہ مسلم اور دُعائے مغفرت کا مستحق ہے برخلاف ایک ایسے شخص کے جس نے اپنے قلب میں سے تو تمام آرزؤں کے بتوں کو باہر نکال پھینکا مگر وہ ایک بت ظاہر کا عابد ہے خواہ وہ پتھر کا ہو یا کسی اور مادی شئے کا) جو اسکے قلب سے تو کیا اس کے قالب سے بھی باہر ہے۔ ایسا شخص پر نہ شرعاً سلام جائیز اور نہ نماز جنازہ۔

(۲) ایک جنبی یا حائضہ عورت یا ایک حکمی ناپاک مرد ایام حج میں بھی مسجدالحرام کے اندر داخل نہیں ہو سکتا چاہے وہ قلبی پاکیزگی کے لحاظ سے ایک ولی ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) قرآن مجید کی کسی ایک آیت کو دل ہی دل میں ایک جنبی عورت یا مرد پڑھ سکتا ہے لیکن زبان یعنی جسم کے ایک ٹکڑے کی مدد سے اس کلام پاک کی تلاوت ممنوع ہے۔

(۴) قرآن مجید پڑھتے وقت کسی آیت سجدہ کی تلاوت اگر کوئی شخص زبان سے کرے یا کسی دوسرے شخص سے آیت سجدہ سن لے تو اس پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ دل ہی دل میں اس آیت مبارکہ کو پڑھ جائے تو سجدہ واجب نہیں ہوتا۔

(۵) نماز صرف عربی زبان میں ادا کرنے سے ادا ہوتی ہے۔ نمازی کی اپنی مادری زبان میں نہیں۔ حالانکہ اگر وہ اپنی زبان میں ادا کرتا تو مضمون نماز کا مطلب سمجھ لینے کی وجہ سے نماز زیادہ موثر ہو سکتی تھی۔

(۶) جسم کا منہ بیت اللہ شریف (جو ایک مٹی پتھر کا بنا ہوا مکان ہے مکہ معظمہ میں) کی طرف کرنے سے نماز ہو جاتی ہے۔ محض قلب کا رُخ اس طرف کرنے سے نہیں اور ظاہری رُخ غیر بیت اللہ شریف کرنے سے نماز نہیں ہوتی۔

(۷) ایک شخص نماز کو کمال خشوع و خضوع اور انتہائی کیف دل کے ساتھ ادا

ذیل میں چند شرعی احکامات جو انوارِ نبوت سے مقتبس ہیں درج کئے جاتے ہیں:-

(۱) ارکان اسلام مثلاً فرض نماز - فرض روزہ - فرض زکوٰۃ اور فرض حج وغیرہ کو علی الاعلان ادا کرنے کی تاکید ہے - ان کو چھپا کر ادا کرنے میں بہ نسبت افشا کرنے کے زیادہ ثواب ہے کیونکہ بتایا گیا ہے کہ ریا کو فرائض میں دخل نہیں - البتہ نوافل عبادات کا چھپانا افضل ہے مگر نوافل کا ثواب اور مرتبہ فرائض کی نسبت بہت کم ہے -

(۲) کافر کو مسلمان بناتے وقت کلمۂ پاک پڑھاتے ہیں اس میں بھی اقرار باللسان (جو کہ قالب کے اعضا میں سے ایک عضو ہے) تصدیق بالقلب سے پہلے وارد ہے - اسی لئے اگر کوئی شخص تمام عمر خدا اور رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوا تمام احکام شریعت پر عمل کرتا ہے اور اپنے اس اقرار اور عمل کی اطلاع کسی دوسرے شخص کو نہ دے تو نہ تو اس پر سلام کہنا روا اور نہ اس کا نماز جنازہ درست - یعنی وہ دعائے سلامتی و مغفرت کا اہل شرعاً نہیں مانا گیا -

(۳) ایک نبی کو بھی اپنے امتیوں کی طرح خود اپنی نبوت کا اعلان کرنا - اس کو سچ ماننا اور اس پر ایمان لانا فرض ہے مگر ایک ولی کو خود اپنی ولایت سے باخبر ہونا ضروری نہیں چہ جائیکہ دوسروں کو اس کی ولایت جاننا یا ماننا ضروری ہو - بعض اولیاء اللہ لوگوں پر اپنی ولایت ظاہر کر دیتے ہیں تو یا تو ان میں سُکر کے بقیہ کا اثر رہ جایا کرتا ہے یا وہ پرتوِ نبوت کے ماتحت پرورش یافتہ ہونے کی وجہ سے اظہار ولایت کر بیٹھتے ہیں -

(۴) تمام احکام شریعت ظاہر پر مبنی ہیں جو بذریعہ نبوت اللہ تعالےٰ نے ہم پر فرض کئے ہیں ان کے انکار پر عذاب ابدی اور ان کے اقرار پر نجاتِ دائمی کا وعدہ کیا گیا ہے - احکام ولایت کا ماننا ہم پر فرض نہیں اگرچہ ان کا ماننا اور ان پر عمل کرنا مفید ہے مگر قابل مواخذہ و سرزنش نہیں -

مندرجہ بالا احکام سے روشن ہو گیا ہو گا کہ نبوت بھی ظاہر ہے اور اسکے احکام بھی ظاہر ہیں اور ظاہر کے لئے ہیں اور ولایت باطن ہے اور اس کے اوامر بھی باطن کے لئے ہیں اور چھپانے کے لائق اور عالم خلق چونکہ ظاہر ہے اور عالم

یکسوئی قلب۔ توجہ الی اللہ ہوسکتی تھی وہ اظہر من الشمس ہے۔ جماعت میں اول تو دوسرے لوگوں کے روبرو خشوع خضوع یا یکسوئی طاری ہوتی نہیں اور اگر کبھی ہو بھی جاتی ہے تو امام کے نعرہ ہائے تکبیر سے وہ تمام سلسلہ درہم برہم ہو جاتا ہے اور حالت غائب ہو جاتی ہے۔

(۲) اللہ پاک کا کلام لفظی تمامۃ (بلکہ اسکے معنی ومطالب یعنی کلام نفسی) کسی جادوگر یا کافر کو آج تک یاد نہ ہوسکا خواہ وہ اسے کتنا ہی یاد کرنا چاہے اور اگر کچھ حصہ یاد کر بھی لیگا تو اس کے سینے سے وہ نکل جائیگا یعنی بھول جائیگا اسی لئے بعض اسلامی گروہ (روافض) تک بھی جو صراط مستقیم سے منحرف ہو چکے ہیں آج تک قرآن مجید کے حافظ نہیں ہے یا بن سکے۔

مندرجہ بالا امور سے بھی واضح ہو گیا کہ نبوت عالم خلق کی اصلاح پر زور دیتی ہے اور ولایت عالم امر کی اصلاح پر۔ اور نبوت چونکہ ولایت سے افضل ہے اس لئے عالم خلق عالم امر سے افضل ہوا۔

بات دراصل یہ ہے کہ اس عالم مجاز یعنی دنیا میں قلب حاکم ہے اور قالب اس کا محکوم ہے اور قیامت کبریٰ کے بعد یعنی عالم حقیقت میں قالب متبوع ہوگا اور قالب تابع۔ یعنی وہاں اس دنیا کے لحاظ سے ہر چیز الٹی ہے اور ہوگی۔ کیونکہ یہ دار العمل دار آخرت کا عکس ہے۔

(۱) عالم حقیقت کا بیان کرتے وقت ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا۔ یعنی لفظ الروح پہلے ہے اور الملائکہ بعد میں۔

اور عالم مجاز کا بیان قرآن مجید میں اس طرح پر ہے۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْہَا بِاِذْنِ رَبِّہِمْ۔ یعنی لفظ الملائکہ پہلے ہے اور الروح بعد میں۔

(۲) حدیث شریف میں وارد ہے کہ جنات جو اس دنیا میں نظر نہیں آتے قیامت کے دن ہم انسانوں کی طرح سب کو دکھائی دیں گے۔

(۳) قیامت میں میزان کا ہلکا پلڑا نیچے ہوگا اور بھاری اونچا۔ برخلاف اس دنیاوی ترازوؤں کے۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ فَھُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ۔

(۴) جو چیزیں یہاں دکھائی نہیں دیتیں مثلاً (۱) موت (۲) شریعت (۳) اعمال (۴) روح وغیرہ وہ قیامت کے دن سب نظر آئیں گی۔ موت ابلق مینڈھے کی شکل میں تو شریعت پلصراط کی شکل میں

کرتا ہے مگر وہ الفاظ نماز کو زبان سے ادا نہیں کرتا تو اس کی نماز باطل ہے۔ ہاں اس کے برخلاف اگر ایک شخص تمام نماز کو حرکات جسمانی وزبانی کے ساتھ درست نیت کے ساتھ بغیر کیف دل اور معانی الفاظ جانے اور بغیر یکسوئی قلب کے ادا کر گیا تو اس کی نماز شرعاً ہو گئی یعنی اس پہ نماز دھرانا ضروری نہیں۔

(۸) ایک شخص نماز کو کمال تکیف دل کے ساتھ ادا کرتا ہے مگر وضو کرنا بھول گیا یا بے وضو ہو گیا تو اس کی نماز جاتی رہی۔ دوسرا باوضو ہو کر ٹھیک نیت کے صرف جوارح کے ساتھ صورت نماز پوری پوری ادا کر گیا اور اس کا دل تمام نماز میں ادھر ادھر بھٹکتا پھرتا رہا تو بھی اس کی نماز ہو گئی۔ یعنی شرعاً اس کے ذمے سے فرض اتر گیا۔

(۹) صحابی یعنی جو ایمان کے ساتھ حضرت خیر البشرؐ کی ملاقات جسمانی کی سعادت سے مشرف ہوئے تھے تمام جہان کے اولیاء اللہ سے افضل مانے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت اویس قرنیؓ جو عاشق محبوبؐ خدا تھے صرف اس وجہ سے صحابی کے مرتبہ کو نہ پہونچ سکے بلکہ تابعی رہے کیونکہ وہ باوجود انتہائے عشق رسول کریمؐ کے ملاقات جسمانی آنحضورؐ حاصل نہ کر سکے۔

(۱۰) نماز میں کچھ فرائض بھی ہیں اور کچھ واجبات سنن اور مستحبات بھی۔ فرائض ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) نیت باندھتے وقت اللہ اکبر کہنا (۴) رکوع کرنا۔

(۲) کھڑا ہونا (۵) دونو سجدے کرنا۔

(۳) قرآن میں سے کوئی سورۃ یا آیت پڑھنا۔ (۶) نماز کے آخر میں جتنی دیر التحیات پڑھنے میں لگتی ہے اتنی دیر بیٹھنا

آپ دیکھیں گے کہ فرائض میں تمامتر زبان یا جوارح کی حرکات ہیں اور بس (یعنی جن میں سے اگر ایک بھی دانستہ یا بھولے سے چھوٹ جائے تو نماز نہیں ہوتی) پس جو لوگ ان فرائض کی بجائے مقصود نماز دل کا پاک کرنا یا اتفاق امت وغیرہ بتاتے ہیں وہ گویا نعوذ باللہ من ذالک نبیؐ کو غلط راہ بتانے والا سمجھتے ہیں یعنی ایک چیز جو مقصود بھی اس کو نبیؐ نے فرض نہ بنایا بلکہ نسبتاً غیر ضروری حرکات کو فرائض سمجھا گئے

(۱۱) فرض نماز با جماعت ادا کرنے کی تاکید کی حالانکہ تنہائی میں علیحدہ ہو کر جسقدر

مغلوب الحال ہونا)

(۵) روح اپنی تکمیل کے لئے جسم میں اترتی ہے جسم اپنی تکمیل کے لئے روح کو ڈھونڈنے نہیں جاتا۔ ہاں جسم کے اس روح پر احسان کرنے کے معاوضہ میں اللہ تعالیٰ جسم کی تکمیل بھی کر دیتا ہے۔

(۶) جہاد بالکفار یا جہاد بالنفس کو جہاد اصغر کہا جاتا ہے اور اجزائے قالب کو اعتدال پر لانے کو جہاد اکبر کہتے ہیں اسی لئے مرتے دم تک عوام الناس یا اولیاء اللہ تو کیا انبیاء علیہم السلام تک کے لئے شریعت پر کاربند رہنا ضروری ہوا کیونکہ اجزائے قالب اجزائے متخالفہ لئے ہوئے ہونے کی وجہ سے بہ دیر اعتدال پر آتے ہیں اور ان کا اعتدال سے ہٹ جانے کا خوف موت کے وقت تک لگا رہتا ہے۔

(۷) غیر مرجوع بزرگ غیب پر ایمان لانے میں دلائل کے محتاج نہیں ہوتے کیونکہ بوجہ کشف غطا ان کا ایمان شہود کا مرتبہ رکھتا ہے لیکن منتہی مرجوع الی الخلق بزرگوار ان کا ایمان چونکہ عالم امر سے گذر کر عالم خلق یعنی قالب کی تربیت کرنے کے لئے خود قالب میں مستور ہو جاتا ہے اس لئے عوام الناس کی طرح وہ اپنے ایمان غیب میں دلائل و براہین کے محتاج بن جاتے ہیں۔ اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ مقامات قرب باندازہ کمال ایمان طے ہوتے ہیں پس قالب کا مستور ایمان قلب کے مشہود ایمان کی نسبت زیادہ قرب بخشنے والا ہوا۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ قلب کی نسبت قالب زیادہ مفید ہے۔

(۸) قلب کو تصفیہ اور تزکیہ کے بعد تمکین تمام دائمی طور پر میسر ہو جاتا ہے مگر مضغۂ دل کا اطمینان حواس کے ادراک پر وابستہ ہے اسی لئے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اطمینان کے لئے سوال کیا۔

(۹) حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ قلب میں جزو ارضی نہیں ہے جو سب سے عمدہ اور بہتر جزو انسانی اجزاء کا ہے برخلاف مضغۂ دل کے جس میں جزو ارضی ہے اور خاک کی پستی اس کی بلندی کا باعث ہے۔ قلب جب نہایت النہایت تک پہونچ جاتا ہے تو اس میں مطلوب تعالیٰ کا ظل ظاہر ہوگا اور مضغۂ دل میں مطلوب کا عین (اس سے کہیں حلول نہ سمجھ لیں)

اعمال نیک اشجار و انہارِ جنت کی شکل میں تو روح اُس شکل میں جو اس نے اعمال دنیوی سے موت کے وقت یا عالم برزخ میں حاصل کر لی ہوگی۔ احادیث میں وارد ہے کہ سود خوار سُور کی شکل میں اٹھیں گے اور ایک فقیر بغیر گوشت کے صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ لئے ہوئے۔ اسی طرح جسم جو یہاں دکھائی دے رہا ہے وہاں روحانی جسم کے اندر بمنزلہ روح کے کام کرے گا۔ اور دنیوی روح کی طرح روحانی جسم کے اندر نہاں ہوگا۔ یعنی روح جو حقیقت ہے عالم حقیقت میں عیاں ہو کر باہر جسم بن جائیگی اور جسم اُس عالم حقیقت میں بطور روح نہاں ہو کر اس حقیقت کی بھی حقیقت بن جائیگی۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ کا عرش عظیم جو آج ۴ فرشتوں کا اٹھایا ہوا ہے۔ قیامت کے روز ۸ فرشتوں کا اٹھایا ہوا ہوگا۔ کیونکہ قیامت کے دن مجاز بھی حقیقت بن جائے گی نہیں بلکہ حقیقت الحقائق بن جائے گی۔ جنکو قابو میں رکھنے کیلئے پہلی تعبیر کیلئے پہلے سے دوگنی طاقت ہونی چاہیے یہی وجہ ہے۔ کہ (۱) ولایت کی نظر صرف قیامت صغریٰ یعنی برزخ تک ہی گئی جہاں صرف روح رنج و راحت پائیگی اور اسی لئے ولایت تہذیب اخلاق۔ مراقبہ۔ توجہ الی اللہ۔ پاس انفاس وغیرہ یعنی حقیقت شریعت پر پہونچنے کی ترغیب دلاتی ہے۔ اور نبوت کی نظر چونکہ ولایت کی نسبت بہت زیادہ زوردار ہوتی ہے اس لئے اس نے قیامت کبریٰ (جہاں جسم و روح ہر دو راحت و رنج سہیں گے) کے واقعات بتا کر صورت شریعت کی پابندی پر زور دیا اور اس کو مرتے دم کا حقہٗ نباہنے پر باوجود نفس کے طغیان و سرکشی کے جنت الفردوس کا وعدہ دیا کیونکہ شریعت جڑ ہے اور طریقت حقیقت معرفت وغیرہ اس کی شاخیں تاکہ جڑ میں نقص نہ آنے پائے ورنہ درخت پھل پھول پتے وغیرہ سمیت ضائع ہو جائے گا۔

(۲) نبی ہمہ تن عوام الناس کی طرح ظاہر و باطن میں متوجہ الی الخلق رہتا ہے برخلاف ایک ولی کے جس کا باطن بلکہ اکثر دفعہ ظاہر بھی ہمیشہ متوجہ الی الخالق رہتا ہے۔

(۳) صفات بشری اگر تمام نہیں تو تھوڑے بہت ایک ولی کے اندر سلب شدہ نظر آتے ہیں لیکن ایک نبی کامل طور سے صفات بشری کا حامل رہتا ہے۔

(۴) ولیوں کے نزدیک مخلوق سے انقطاع و تبتل اہم چیز ہے۔ نبیوں کے نزدیک مخلوق میں شامل ہو کر احکام خداوندی کی تعمیل اہم ہے نہ کہ ذات خداوندی کی محبت میں مستغرق

حکم دیتا ہے اور جن احکام کی تعمیل سے بہ اسباب ظاہر اس کو صحت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح روح جب دنیا کے اس کارگاہِ ضلالت میں پھنس کر بیمار ہو جاتی ہے تو اس کی بیماریوں کے علاج کے لئے بھی اس حکیم مطلق عزّ وجل نے پرہیز غذا کے ساتھ ساتھ دوائیں استعمال کرنیکا حکم دیا ہے۔ اور یہ دوائیں تزکیہ نفس اور تصفیۂ قلب کرنے والی ہدایات ہیں جس طرح جسمانی دوائیں اللہ تعالےٰ نے ہر ملک اور ہر موسم میں پیدا فرمائی ہیں اسی طرح روحانی ادویہ کی بھی بذریعہ انبیاء علیہم السلام اس محسن مطلق جلشانہٗ نے ہر زمانے میں دنیا کے ہر کونے گوشے میں اشاعت فرما دی۔ آپ جانتے ہیں کہ دوائیں تعداد میں بیشمار ہیں اور غذائیں مقابلتہً کم مگر مقدار کے لحاظ سے انسان کو غذا کی نسبت دواؤں کی ضرورت کم محسوس ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ اعمال دینی جو جسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ معدودے چند ہیں۔ مثلاً نماز۔ روزہ وغیرہ اور روح کو مہذب بنانے والی ادویہ بے شمار یعنی اخلاق ذمیمہ کو دور کرنے اور اخلاق فاضلہ کو پیدا کرنے کے طریقے کثیر ہیں۔ مقدار کے اعتبار سے نماز۔ روزہ کی مداومت کی تاکید نفس و قلب کو مزکّٰی و مصفّٰی بنانے والے احکام کی تاکید کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ اس موقع پر یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ جس طرح امراض جسمانی کے علاج کے وقت کسی طبیب حاذق کی تشخیص و تجویز پر بھروسہ کر کے اپنے جسم کو تندرستی حاصل کرنے کی غرض سے اس طبیب کے مشورہ کے سپرد کر دیا جاتا ہے اسی طرح امراض جسمانی کے علاج کے وقت بھی کسی رہنمائے کامل کی اشد ضرورت ہے جس کے ارادوں کے روبرو اپنے تمام ارادوں کو معطل کر دینا چاہیئے تاکہ تندرستی حاصل ہو ورنہ بزعم خود اپنی عقل سے کلام الٰہی یا اور کسی دینی کتاب سے جو لوگ اپنے لئے نسخے تجویز کر کے اس پر عمل پیرا ہو لیتے ہیں وہ بجائے بیماری سے نجات پانے کے اپنی روح کو اور زیادہ ہلاکت کے خطرہ میں ڈال لیتے ہیں*۔ بہر حال یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ مگر تھا بہت ضروری اس لئے یہ لکھنا ہی پڑا انسان خواہ بیمار ہو یا نہ ہو اس کو غذا کی ہر حال میں ضرورت ہے مگر دواؤں کی ضرورت صرف بیمار ہو جانے پر محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے نماز روزانہ پانچوقتہ فرض کر دی اور روحانی ادویہ کا استعمال کو فرض نہ ٹھہرایا۔

جب نبوت کی پیش بین نظر نے بھانپ لیا کہ دنیا کا جسم انسانی قیامت کے دن والے جسم کی روح بننے

قلب میں اشیاء کی صورتوں کا ظہور ہے مگر مضغۂ دل میں نامحدود و نامتناہی مطلوب کی گنجائش ہے۔ قلب کی فراخی چونکہ چون کی آمیزش رکھتی ہے اس لئے اس میں بے چون کی گنجائش نہیں۔ مگر مضغۂ دل کی فراخی نے چونکہ بے چون سے حصہ پا لیا ہے۔ اس لئے اس میں چون کی گنجائش نہیں۔

(ب) عالم خلق کو عالم امر پر وہ فضیلت ہے جسکو عوام کیا بلکہ خواص بھی نہیں سمجھ سکتے۔

(ج) مشاہدہ ولایت کا ثمرہ ہے اور رویت نبوّت کا۔ ولایت یعنی عالم امر نے اکی جگہ پورا حظّ لیا ہے یعنی مشاہدہ اور معائنہ حاصل کر لیا ہے جو وجوب کے ظلال میں سے ایک ظل ہے اور نبوت یعنی عالم خلق کے ساتھ بہشت میں بلا کیف دیدار کا معاملہ پڑیگا جو اصالت کی خبر دیتا ہے۔

اگرچہ ہر ایک مندرجہ بالا اشارہ تفصیل طلب ہے مگر بوجہ طوالت اس کے وضاحت کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ لیکن بایں ہمہ ایک عقلمند کے لئے یہ مختصر سے اشارے اس بات کے ثبوت کے لئے ضرور کافی ہیں کہ جسم روح سے افضل ہے۔

نماز کا جسمانی حصّہ اس کے روحانی حصہ سے کیوں افضل ہے

مندرجہ بالا مقدمات سے یہ تو معلوم ہو چکا ہو گا کہ شریعت محمدیؐ نے کل اعمال دینی میں اُسکے جسمانی حصہ عمل کی ہر موقع پر اس کے رُوحانی حصّے پر فضیلت تسلیم کی ہے اور اسی بنا پر نماز میں بھی جسمانی حصّے کو روحانی حصے پر فضیلت دی۔ اس کا سِرّ یہ ہے کہ جس طرح جسم کی تربیت کے لئے رب العالمین نے غذائیں مثلاً اناج۔ ترکاریاں وغیرہ پیدا کی ہیں اسی طرح رُوح کی تربیت کے لئے بھی اس ارحم الراحمین نے اعمال دینی کی شکل میں سامان مہیّا فرما دیئے ہاں جسم جب کبھی اپنے اخلاط کے اعتدال کو کھو بیٹھتا ہے یا ان اخلاط میں جب کبھی رداءت کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر ایک مریض اپنے جسم کو دوبارہ اعتدال پر لانے کے لئے کسی طبیب کی طرف رجوع کرتا ہے جو اس کو غذائیں پرہیز کے ساتھ ساتھ کچھ مناسب دوائیں استعمال کرنے کا

وجہ سے وہاں بدصورت ہی کیوں نہ رہ جائے۔ ہاں خوبصورت بننے کی طرف بھی رغبت دلائی اور اس غرض کے لئے روح کو مہذب و پاکیزہ بنانے کے احکام بھی صادر فرمائے مگر ان کو فرض نہیں قرار دیا کیونکہ جسم کی تربیت کی نسبت ان کی اہمیت کم تھی۔

غذا دنیا میں جسم کو عموماً دن رات میں دو دفعہ دیجاتی ہے اور اس کی زیست کے لئے کافی سمجھی گئی ہے مگر نبوت نے دیکھ لیا کہ اس جسم کو جو قیامت کے دن روح بننے والا ہے غذائے نماز کم ازکم دن رات میں پانچ دفعہ دینی لابدی ہے ورنہ وہ ہلاک ہو جائیگا۔ اسی لئے فرمایا کہ مَن ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر۔ یعنی جس نے جان بوجھکر ایک نماز بھی چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا یعنی اسپر ہلاکت طاری ہو گئی۔

اس ضمن میں ایک اور بات بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے بغیر غذائے نماز ایک فعل عبث ہے یعنی ایک بے ایمان جسم غذائے نماز کھاکر بھی اپنے جسم کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا کیونکہ غذا ہو یا دوا صرف اس شخص کو دیجاتی ہے جس میں ابھی کوئی جان باقی ہے۔ مردہ اجسام کو نہ غذا دیجاتی ہے اور نہ دوا۔ اور ایمان بمنزلہ جان کے ہے اس لئے اگر ایک کافر نماز پڑھیگا بھی تو وہ مقبول نہ ہوگی کیونکہ اس کے اندر ایمان کی پیدا کردہ جان ہی نہیں جو غذا یا دوا کو قبول کرسکے۔ یہاں پھر لفظ ایمان کی تشریح ضروری ہے تاکہ ان لوگوں کو غلط فہمی نہ رہے جو تمام مذاہب کو حق پر تسلیم کرتے ہیں اور ان کے پیرووں کو حق پرست یعنی ایماندار بتاتے ہیں ایمان صرف اللہ تعالے پر ایمان لانا یا اعمال کے جزا و سزا کے قائل ہو جانے کا نام نہیں ہے اس قسم کا ایمان تو دنیا کے ہر مدعی مذہب کے پاس کسی نہ کسی ٹوٹی پھوٹی شکل میں پایا جاتا ہے بلکہ جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے ایمان ان تمام دینی امور کے ساتھ جو ضرورت اور تواتر کے طریق پر ہم تک پہنچے ہیں تصدیق قلبی اور اقرار زبانی سے مراد ہے اور کفر کے کل خصائص اور لوازم مثلاً زنار باندھنے اور اس قسم کی اور رسوم سے جو اس میں پائی جاتی ہیں تبری کرنا اور بیزار ہونا اس تصدیق کی علامت ہے۔ ادنی تبری یہ ہے کہ دل سے ہو اور اعلےٰ یہ ہے کہ دل اور جسم دونوں سے ہو۔ ایمان اور اسلام کی تعریف جو احادیث میں وارد ہوئی ہے وہ مقدمہ ۲ میں پہلے بیان کی جا چکی ہے بلاشبہ ایمان کی وہی تعریف مسلم ہو سکتی ہے جو بالمومنین رؤف الرحیم

وَالا ہے جیسا کہ مقدمہ ۱۲ میں واضح کیا جاچکا ہے تو جسم کی تربیت پر روح کی نسبت زیادہ توجہ فرمائی اور اسی لئے شریعت نے اپنے کل احکام میں اُن اعمال صالحہ کو فرض قرار دیا جن کا تعلق جسم سے تھا اور ان اعمال کو فرض نہ ٹھیرایا جن کا تعلق نفس۔ قلب اور روح کی پاکیزگی سے تھا کیونکہ شریعت جانتی تھی کہ اگر جسم انسانی اس دار العمل میں میرے مجوزہ نسخے کو استعمال کرتا رہا تو وہ اس قدر توانا و تندرست ہو جائیگا کہ جنت کی نعمتوں سے کامل طور پر حظ حاصل کرسکے گا۔ اور اگر یہ جسم انسانی کمزور و بیمار رہا تو نعمہائے بہشت کی لذتوں سے کما حقہٗ خوشی نہ حاصل کرسکے گا خواہ اس کی رُوح دنیا میں کتنی ہی اعلیٰ درجہ کی تربیت یافتہ کیوں نہ بن گئی ہو۔ قیامت کے دن ایک تربیت یافتہ روح جسم اخروی کو مضبوط و خوبصورت تو ضرور بنا لیگی لیکن دیدار الٰہی کی لذتوں اور جنت الفردوس کی اور فرحتوں سے رُوح کو اس دن (جوکہ وہاں جسم بنا ہوا ہوگا) کچھ زیادہ حظ حاصل نہ ہوگا۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ دنیا میں اگر کسی کی رُوح تندرست و طاقتور ہے تو وہ دنیا کی نعمتوں سے پوری طرح مسرت حاصل کرلیتا ہے خواہ اس کا جسم اپنے جُثہ و شکل میں بدنما ہی کیوں نہ ہو برخلاف اس کے ایک روح کا کمزور و بیمار انسان چاہے وہ کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو اچھی اچھی غذاؤں اور نفیس لباس سے بھی نفرت کرتا ہے اور کوئی خوشی حاصل نہیں کرسکتا۔

اسیطرح جن لوگوں نے شریعت محمدی صلعم کی تعمیل کرتے ہوئے نماز کے جسمانی حصہ کو ٹھیک طور پر ادا کر دیا یعنی دنیا کے اندر جسم کو نماز کی غذائے پانچوقتہ کھلا کھلا کر اس کو تندرست و توانا بنا لیا وہ جنت کی لذتوں سے کما حقہٗ بہرہ ور ہونے کے قابل ہیں۔ ہاں اگر اس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی روح کو بھی تربیت یافتہ بنا لیا تو گویا دار الخلد کی ظاہری خوبصورتی سے بھی اپنے تئیں مزین کرلیا۔ لیکن اگر کسی نے صرف روح کی تربیت میں منہمک رہتے ہوئے غذائے نماز جسم کو نہیں پہونچائی اور اس کو بیمار ضعیف بنا لیا ہے تو پھر ایسے شخص کی عالم آخرت میں بیمار رُوح اپنے خوبصورت جسم کے ذریعہ وہاں کی نعمتوں سے حظ وافر نہ حاصل کرسکے گی۔ اِسی لئے شریعت حقہ نے نماز میں جسمانی حصہ کو روحانی حصہ کی نسبت اہم گردانا تاکہ ہر مومن لذت اخروی سے محظوظ ہو خواہ وہ نفس کی سرکشی کی

کے بغیر بھی روحِ مومن کو زندہ رہنا چاہیے اگر وہ صرف ادویۂ روحانی استعمال کرتا ہے بات دراصل یہ ہے کہ ہر ایک غذا میں اخلاط پر اثر کرنیوالی کیفیت بھی ہوتی ہے اور اس اعتبار سے ہر ایک غذا ایک حد تک بجائے خود دوا بھی ہے اور اسی طرح ہر ایک دوا بجائے خود اس لحاظ سے غذا بھی ہوتی ہے کہ اس میں جسم کے اجزائے ماتحلل کا بدل بن جانے والا جزو بھی شامل ہے امتیاز اصطلاح کے لئے اگر کوئی شے اپنے اندر غذایت زیادہ رکھتی ہے اور دوائیت کم تو ہم اس کو غذا کہنے لگتے ہیں اور اگر ایک شے میں دوائیت زیادہ ہے اور غذائیت کم تو وہ دوا کہلاتی ہے۔ نماز کے اعمال ادبیہ جوارح غذا ہیں اور اس کے اندر توجہ دوا۔ بیمار ہوجانے پر نماز کے اعمال ادبیہ جوارح ساقط ہوتے جاتے ہیں اور صرف توجہ کفایت کرتی ہے بالفاظ دیگر غذا بند ہوکر صرف دوا زیست کے لئے کافی سمجھی جاتی ہے اور یونہی ایک مومن تندرست ہونے لگتا ہے غذا کا استعمال شروع ہوتا جاتا ہے یعنی اعمال جوارح سے نماز ادا کرنے کا حکم پھر جاری ہوجاتا ہے۔ اسی لئے حکم دیا گیا ہے کہ تا وقت آخر کسی وقت کی بھی نماز قضا نہ ہونی چاہیئے کیونکہ بصورت دیگر ایسے مومن کے ہلاک ہوجانے کا قوی احتمال ہے۔

مندرجہ بالا بیان میں بہشت اور اس کی نعائم و لذائذ کا ذکر آچکا ہے اس ضمن میں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایک وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ صورت شریعت کے احکام کی اتباع سے جو ثواب حاصل ہوگا اس کے معاوضہ میں جنت کی مسرتیں میسر ہونگی اور شریعت کی حقیقت پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اس لئے ہم صورت شریعت سے کمائی ہوئی جنت کو نہ لیں گے بلکہ حقیقت شریعت کی تابعداری سے اللہ تعالےٰ کے دیدار کی خوشنودی حاصل کرلیں گے۔ طالب الدنیا مردودٌ۔ طالب العقبیٰ محمودٌ۔ طالب المولیٰ مقبول یا طالب الدنیا مخنثٌ۔ طالب العقبیٰ مؤنثٌ۔ طالب المولیٰ مذکرٌ ہر مومن مسلمان کو اس لئے مذکر اور مقبول بننا چاہیئے وہ مؤنث اور محمود ہی کیوں رہے نماز کے جسمانی حصے سے جنت ملجاتی ہوگی تو ہوا کرے ہم تو نماز کے صرف روحانی حصہ کو پورا کرکے اپنے مولیٰ کو ہی حاصل کریں گے تاکہ اپنے پیارے سے ہماری روح واصل ہو کر

نے کی ہو۔ مقدمہ ۱؎ میں یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ محض عقل وحی کی مدد کے بغیر ایسی باتوں کا
ٹھیک فیصلہ نہیں کر سکتی کلام الٰہی نے جہاں کہیں کوئی بات قابل تشریح چھوڑ دی ہے اس کو
کلام رسولؐ نے "وَاِنَّ علینا بیانہٗ" کے وعدہ کے مطابق مشرح فرما دیا ہے۔ مثلاً "نماز قائم کرو" کا
حکم قرآنی کوئی نہ سمجھ سکتا اگر حضور پر نورؐ خود نماز ادا کر کے لوگوں کو نہ دکھاتے۔ اسی طرح ایمان
کا کیا مطلب ہے جو قرآن مجید نے بار بار استعمال کیا ہے اس کی تشریح بھی حضورؐ نے خود ہی
بیان فرما دی تاکہ کوئی دھوکا نہ کھائے اور ایمان کی کوئی نئی تعریف اپنے دل سے قائم نہ کرلے
مگر افسوس کہ آج بعض ناعاقبت اندیش مصلح اخوت انسانی وروا داری کے دلخوش کن گمراہ کن
الفاظ سنا سنا کر کفار و مشرکین کی عبادت کو عبادت تسلیم کئے جانے کی فکر میں لگ رہے ہیں
اور ان کے ایمان کو بھی ایمان کا درجہ دینے کے درپے ہیں۔ حالانکہ دین محمدیؐ تمام ماضی و
حال و مستقبل کے ادیان سے صرف بہتر ہی نہیں بلکہ ان سب کا ناسخ ہے اور اب اس دین حق
کے بعد نہ تو کسی مذہب کی عبادت عبادت کہلا سکتی ہے اور نہ اُن کا ایمان ایمان۔ جسطرح
نمونیا کے بیمار کو شربت دینا زہر ہے مگر یہی شربت صفراوی مزاج والے کے حق میں شفا کا حکم
رکھتا ہے۔ اسی طرح اس زمانۂ آخر النبی صلعم میں تمام مذاہب کے ایمان و اعمال زہر ہلاہل کا
حکم رکھتے ہیں اگرچہ حضورؐ کی نبوت سے پہلے وہ ایمان و اعمال شربت صفرا مزاج کا اثر رکھتے
تھے۔ اسی لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "اَلدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا
فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ۔" یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اب دین صرف اسلام
ہے اور جو کوئی اسلام کے سوا اب کوئی اور دین اپنے لئے تلاش کریگا وہ مقبول نہ ہوگا اور وہ
خسارہ پانے والے میں ہو جائے گا لفظ "اسلام کی تعریف جس کا آیت مبارکہ میں بیان ہے زبان
نبوتؐ نے یوں بیان فرمائی ہے کہ اسلام کہتے ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کو ایک اور قابل عبادت
ماننا۔ (۲) محمد صلعم کو آخری نبی ماننا (۳) نماز پڑھنا (۴) روزہ رکھنا (۵) زکوۃ ادا کرنا اگر مالدار
ہے (۶) حج کرنا اگر استطاعت رکھتا ہے۔

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ بعض اوقات کسی مریض کو مدتوں غذا نہیں دی جاتی بلکہ
صرف دواؤں پر اس کو زندہ رکھا جاتا ہے اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ غذائے نماز

کم نصیب کو نارِ جہنم میں ڈالکر گناہوں کے اندازے کے مطابق سزا کے بعد انجام کار جنت میں داخل کر دیں گے۔ اگر اس کے اندر ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا۔

معلوم ہوا کہ جنت ایمان کی وجہ سے ملتی ہے البتہ ایمان اللہ تعالےٰ کے فضل سے ملتا ہے۔ پس جس فضل الٰہی نے دنیا میں ایک مومن کو دولتِ ایمان بخشی اور پھر اس پر اس کو نیک عمل کی بھی توفیق دی۔ وہی فضل الٰہی عالم آخرت میں ہر جمعہ کے دن تھوڑی دیر کے لئے اس کے ایمان و عمل صالحہ سے حاصل کردہ بہشت کو اس کے لئے عینک بنا دے گا اور وہ عینک یعنی بہشت اس شخص کے لئے رویت غیر متکیفہ کی دولت کا وسیلہ بن جائیگی اور اس دیدارِ الٰہی کی لذت اسکی بہشت کے اندازہ کے موافق ہوگی۔ نظارۂ دید کی لذت سے مستفید ہونے کے بعد جنت کی وہی نہریں اور درخت پھر اپنی اصل حالت پر آجائیں گے اور اس کو اپنے ساتھ مشغول رکھیں گے۔ اس عبارت سے ذات تعالےٰ کے پارہ پارہ ہونے کا وسوسہ نہ لانا چاہیئے کیونکہ پارہ پارہ ہونا نقص و حدوث کی علامت ہے۔ تعالیٰ اللہ سبحانہٗ عن ذالک۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک و برتر ہے۔ پس جن لوگوں نے غلطی سے دیدارِ الٰہی یا رضا و خوشنودئ خدا کو جنت سے کوئی الگ شے سمجھا ہے اور آخرت کی گرفتاری کو آخرت کے صاحب کی گرفتاری سے سوا جانا ہے وہ عقیدۂ ہلاکت کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے ہیں اور خطرہ ہے کہ ایسے لوگ شریعت کے احکام ظواہر کو جنہیں نبیؐ نے فرض قرار دیا ہے سبک سمجھنے کی وجہ سے قعرِ کفر میں نہ جا گریں۔ اَلعیاذُ باللہ۔

ایسے عقائد باطلہ کا اندازہ ذیل کے اقتباسات سے بہ آسانی کیا جا سکے گا جو مختصراً پیش کئے جا رہے ہیں۔

(۱) دوزخ و جنت نام ہے بالکل روحانی تاذی و تنعم کا۔

(۲) حشرِ اجساد کے تسلیم کرنے سے کہیں بہتر یہ ہے کہ تناسخ کو تسلیم کیا جائے۔

(۳) اچھے افعال سے روح میں جو سعادت کا اثر پیدا ہوتا ہے اور برے کاموں سے جو شقاوت حاصل ہوتی ہے اسی کا نام عذاب و ثواب ہے اور یہ خود ان افعال کا لازمی اثر ہے۔

(۴) دار السلام ہرگز کوئی اخروی مکان نہیں۔ اگر دار السلام جنت کے باغوں میں کوئی بارہ دری ہے

رضا و دیدار لافانی اور غیر محدود مسرتوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گم ہو جائے۔ عبادات و ریاضات سے اگر دیدار خدا کی لذت نہ ملی بلکہ اس کے معاوضہ میں صرف جنت دیدی گئی تو بقول بی بی رابعہ بصریؒ ہم تو ایسی جنت کو دوزخ میں پھینک دیں گے۔

بغیر جنت دیدار الٰہی ناممکن ہے

اس ارشاد نبویؐ کے پیش نظر کہ جنت کی پوری کیفیت سمجھنا انسان کی بساط سے باہر ہے جنت کی صحیح حقیقت کی تو خبر ہی کیا ہے جو بیان کیا جائے مگر ہاں تشبیہ و استعارہ کی وساطت سے اپنی بساطِ عقل کے مطابق مذکور الصدر وسوسہ کے ازالہ کے لئے بیان کرتے ہیں جنت ہمارے ایمان کی زمین پہ ہمارے اعمال سے تیار کردہ اشجار و انہار۔ حور و قصور وغیرہ کے مجموعہ کا نام ہے۔ چونکہ ہر ایک مومن کا ایمان بلحاظ تنویر و تزکیہ۔ پختگی و مضبوطی دوسرے مومن کے ایمان سے مختلف ہوتا ہے اس لئے ان کی جنتوں کی زمینیں بھی علیٰ قدر مراتب مختلف ہونگی اور اسی طرح ان کے اعمال کے اختلاف کے بموجب اشجار و قصور بھی مختلف مرتب ہونگے۔ ان اعمال کے اخلاص کے لحاظ سے ان نعمتوں کی لذتوں میں بھی اختلاف ہوگا خواہ مختلف مدارج کے ناجی ایک ہی جگہ ایک وقت میں کیوں نہ قیام پذیر ہوں اور ایک ہی قسم کے کھانے کیوں نہ کھاتے ہوں مثلاً رسول مقبولؐ کے ساتھ ان کی ازواج مطہراتؓ کی بھی رہائش ہوگی اور حضور پرنور کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر وہ طعام تناول فرماوینگی مگر بوجہ اختلاف مدارج ان کی لذتوں میں فرق تسلیم کرنا پڑیگا ورنہ ازواج مطہراتؓ کا ہمرتبۂ انبیاء ہونا لازم آتا ہے جو یقیناً قابل قبول نہیں مومن کے وہ اعمال نیک جو دوسرے لوگوں تک اپنا نیک اثر لیجاتے ہیں انہار جنت ہیں۔ اس نہج پر دوزخ کو قیاس کرنا چاہیئے کہ ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ایک کافر کو جب جنت میں کوئی جگہ نہ ملے گی تو لامحالہ اسکو دوزخ میں جانا ہوگا۔ اور اپنے اعمال بد کی کثرت یا غلاظت کے مطابق اس کو وہاں تکالیف بھی برداشت کرنی ہونگی۔ بداعمال مومن کو جس کو توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوئی اور نہ دنیاوی تکالیف یعنی سکرات موت یا عالم برزخ کی روحانی سختیوں نے چھٹکارا بخشا نہ شفاعت رسول کریمؐ کی سعادت نصیب ہوئی ایسے

اعتراضات اور اُن کے جوابات

اگرچہ جو کچھ ابتک بیان کیا جا چکا ہے اس سے اصل مضمون پر اس قدر روشنی پڑ جاتی ہے جو ایک صاحب قلب سلیم کی رہنمائی کے لئے کافی ہے تاہم یہ مناسب معلوم دیتا ہے کہ چند اہم اعتراضات پر بھی غور کر لیا جائے۔ تا کہ ایک حق طلب انسان کے لئے کوئی مقام شبہ باقی نہ رہے جہانتک معلوم ہو سکا ہے عموماً ذیل کے اعتراضات پیش کئے جاتے ہیں۔

اعتراض نمبر (۱) جسمانی حصۂ نماز کو نہایت اہم سمجھنے والے اکثر ریاکار۔ بدکار۔ خودغرض اور گناہوں پر دلیر پائے جاتے ہیں برخلاف اس کے جو رُوحانی حصۂ نماز کو نہایت ضروری اور بڑا سمجھتے ہیں ان میں ایسے عیوب نسبتاً کم دیکھے جاتے ہیں۔

جواب:- اس قسم کے اعتراضات اگرچہ اصلیت سے بہت دُور ہیں مگر عوام پر زیادہ اثر ڈالتے ہیں۔ کیونکہ نماز گذار اُن اشخاص کی نسبت جو ظاہری ارکان مذہب کے پابند نہیں زیادہ خدا پرست سمجھے جاتے ہیں اس لئے اول الذکر طبقہ کے اخلاق و اعمال کی ذرا ذرا سی کمزوریاں بھی دنیا کی نظروں میں اسی طرح سما جاتی ہیں جس طرح ایک خفیف سی کدورت بھی ایک صاف سفید شیشہ کی بوتل میں بالکل نمایاں ہو جاتی ہے اور اس کے برخلاف بہت سی ظلمت یا خرابی ایک سیاہ رنگ کے شیشہ کی بوتل میں اکثر نہیں دکھائی دیتی۔ حالانکہ خواہ فرداً فرداً خواہ مجموعی طور پر اگر اندازہ لگایا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ مذہبی شعار کے عامل بہت کم گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں کیونکہ ان کی ظاہری شکل اور ان کا لوگوں کے دلوں میں پیدا کردہ نیک گمان اُن کو ارتکاب منہیات سے زیادہ مانع آتا رہتا ہے۔

پابند مذہب افراد کو فی زمانہ ریاکار یا جور و قصور کے طلبگار بتابتا کر اکثر وہ لوگ خفیف کیا کرتے ہیں جو نہ تو خود کسی مذہبی شعار کے پابند ہوتے ہیں اور نہ ہونا چاہتے ہیں تاکہ ان کی اپنی کمزوری چھپ جائے اور دیندار مبلغ شرمسار ہو کر انہیں پابند مذہب بننے پر زور نہ دے سکیں۔ خاصان خدا کا ارشاد ہے کہ اگر حقیقت نماز تک پہنچنا چاہتے ہو تو صورت نماز کو ادا کرتے رہو نہ یہی اور صرف یہی ایک ذریعہ نماز کی حقیقت حاصل کرنے کا ہے نہیں بلکہ شریعت کی حقیقت

تو خوش اعتقاد شارحین بتلائیں کہ "لاھُر سُبُل السلام" کیا جنت کی سڑکیں ہیں۔

(۵) قرآن کے نزدیک ثواب آخرت کی حقیقت یہہ ہے کہ نگاہیں جمال الٰہی کے نظارہ سے شادکام ہونگی۔ عذاب یہ ہے کہ اندھی ہوکر محجوب ہوجائیں گی۔

(۶) اسلام کے نزدیک انسان کی اعلیٰ ترین فطری زندگی کے اعلیٰ تخیل کا نام جنّت ہے۔

جن صاحبِ ایمان افراد نے نفس و قلب و رُوح کی پاکیزگی و طہارت کو ملحوظ رکھا اُن کو عالم برزخ میں نورانیت ضرور ملتی ہے اور جنہوں نے ظواہر و ارکان شریعت بھی ساتھ ساتھ ادا کئے وہ عالم برزخ کی نورانیت بھی پائیں گے اور قیامت کبریٰ میں راحت و لذتِ دید بھی۔ اور جن افراد نے صرف باطنی صفائی کو ملحوظ رکھا اور ظاہر شریعت کی پرواہ نہ کی۔ اُن کو صرف عالم برزخ کی نورانیت ملے گی مگر عالم آخرت کی تکالیف سے نجات نہ مل سکے گی۔ جن افراد نے صرف ظاہر شریعت پر اکتفا کی اور باطنی نظافت اور اخلاق کی تہذیب کا خیال نہ رکھا۔ ان کو عالم آخرت کی تکالیف اور بدشکلی کا رنج بھگت کر آخر کار جنت میں داخل کرینگے اور ہر دو ظاہر و باطن سے غافل انسان مرنے کے بعد سے ہی ابدی تکلیف و تعذیب میں مبتلا ہوجائیں گے۔

بنابریں نماز کے جسمانی حصّے کو بھی شریعت نے اس کے روحانی حصے پر اسی لئے اہم بتایا تاکہ ایک مومن جسم کو شریعت کے مجوزہ نسخے کے مطابق تربیت کرکے دنیا میں اس کو تندرست اور طاقتور بنالے اور قیامت کبریٰ کے دن جب یہ جسم بطور روح کے آخرت کے جسم روحانی کے اندر بطور حاکم کام کرے تو وہاں کے نعمات و لذائذ سے علیٰ قدر صحت و طاقت بہرہ یاب ہوجائے۔



مانتے ہیں اس لئے وہ گناہوں کی بدپرہیزی سے باز نہیں آتے اس گمان فاسد کی بنا پر کہ اگر ہم گناہ کر بھی بیٹھیں گے تو کچھ ہرج نہیں یہ نماز کی ظاہری پابندی اُن کے بُرے اثرات و نتائج کو مٹادیگی۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ بدپرہیزی کے اثرات کو اگر ایک بدپرہیز کسی مجرب علاج یا دوا سے زائل کر بھی لے تو کیا نتیجہ بدپرہیزی کی خواہش تو ہر ارتکاب کے بعد اس میں پہلے کی نسبت قوی تر ہوتی چلی جائیگی اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی طبیعت ہر علاج کے بعد کمزور تر ہوتے ہوتے دوا کے اثر کو کما حقہٗ قبول کرنے کے لائق نہ رہے گی۔ ایسے بدپرہیز پر لازماً ایک وقت ایسا آجائیگا کہ دوا موجود ہونے کے باوجود وہ ہلاک ہوجائیگا۔ نماز کی ہیئت ظاہری نماز گذاروں کو مذکورۃ بالا خطرے سے پیہم متنبہ کرتی رہیگی اور ان کو ان کے تہوّر کی گستاخی جتا کر اصل معنوں میں پرہیزگار بنادیگی اور یہی مطلب ہے اس آیت پاک کا کہ اِنّ الحسنٰت یذھبن السیّات۔ یعنی نیکیاں برائیوں کو مٹاڈالتی ہیں۔

صورت نماز کی حرکات اللہ تعالیٰ کے سب سے پیارے نبی کا پیارا نام "احمدؐ" بناتی ہیں یعنی قیام ا بناتا ہے تو رکوع حرف ح۔ دونوں سجدے حرف م کے اوپر کے حصے پر دو دفعہ قلم کا پھیرنا بتاتے ہیں تو قعدہ حرف م کے نیچے حصہ کو ظاہر کرتا ہے اور حرف د قومہ کی حالت ہے۔

علاوہ ازیں نماز گذار کی حرکات جسمانی اس لئے بھی اللہ عزّوجل کو محبوب ہیں کیونکہ اسی قسم کی حرکات اس کا محبوب ترین نبیؐ ہر نماز کے وقت کیا کرتا تھا۔ ایک عاشق اپنے معشوق کی صورت کی اگر کسی دوسرے شخص میں ذرا سی مشابہت بھی پالیتا ہے تو یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ دوسرا شخص میرا مطلوب و مرغوب نہیں ہے پھر بھی فطرۃً اس غیر محبوب سے رغبت رکھنے کے لئے وہ مجبور ہوجاتا ہے اور جذبِ دل اس غیر شخص سے بھی اس کو محبت کرنے کے لئے اکساتا رہتا ہے۔



حاصل کرنے کا ہے نہیں نہیں بلکہ کائنات کی حقیقت حاصل کرنے کا ہے۔ اور یہہ تو معلوم ہی ہے کہ ریاوہ مرض ہے جو صدیقین کے دلوں میں سے نکلنے والے امراض میں سے سب سے آخری مرض ہوتا ہے۔ اور ایک ہندی تو کیا بلکہ ایک متوسط کے لئے بھی اس سے چھٹکارا پانا تقریباً ناممکن ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے کیا خوب نصیحت فرمائی ہے کہ دنیا میں ۴ چیزیں ایسی ہیں جنکے بغیر گذارہ محال ہے لیکن افسوس کہ وہ ملتی نہیں۔ پس انسان کو چاہئے کہ جب تک کہ وہ ان کو کماحقہ حاصل نہ کرسکے اس وقت تک اُن سے کم درجہ پر ہی قناعت کرے اور وہ یہ ہیں :- (۱) عالم باعمل۔ (ii) روزی بے شبہ (iii) عبادت بے ریا (iv) دوست بے عیب ایسا نہ ہو کہ کہیں کامل کے حصول میں ان کا بالکل تارک ہو کر ہلاک ہو جائے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ فرائض میں ریا کو دخل نہیں پس ایک نماز گذار کو ریاکار بتانا ایک افترا ہی نہیں بلکہ ناسمجھی سے خداوند تعالیٰ کے احکام کی تذلیل اور اُن کی پابندی کرنے والوں کو چڑانا ہے اور یہ افعال کفر سے نزدیک کر دینے والے گناہ ہیں۔

بسا اوقات نماز گذاروں کو شغف نماز کی وجہ سے خودغرضی کا الزام دیا جاتا ہے کیونکہ یہ طاعت گذار نماز کا وقت آنے پر پھر کسی مجلس۔ کلب یا اجتماع کی پرواہ نہیں کرتے اور تمام جھگڑوں مشغلوں کو چھوڑ چھاڑ مسجد کی طرف چل دیتے ہیں۔ ایماندار کے نزدیک حکم پروردگار کے سامنے مخلوق اور ان کے پسندیدہ امور چونکہ سب ہیچ ہوتے ہیں اس لئے ان کا یہ فعل قابل تحسین اور پختگیٔ ایمان کی خبر دیتا ہے مگر افسوس کہ دہریت کی رَو نے ذہنیتِ زمانہ اس قدر بدل دی ہے کہ لوگ اچھے کاموں کو بُرا اور بُرے کاموں کو اچھا قرار دینے لگے۔

یہ الزام کہ "جسمانی حصہ نماز کو اہم سمجھنے والے عموماً گناہوں پر زیادہ دلیر پائے جاتے ہیں" ایک سننے والے کو یقیناً متاثر کرتا ہے جبکہ اس کے ساتھ معترض یہ دلیل بھی سنا دیتا ہے کہ جس طرح ایک اکسیر بدن یا مہلک امراض کے مجرب نسخے جاننے والا نہیں بلکہ خود اپنے پاس ایسی دوا تیار رکھنے والا بدپرہیزی کرنے کی جرأت کر لیتا ہے اس بھروسے پر کہ اس تکلیف کا اس کے پاس اطمینان بخش علاج موجود ہے جو بدپرہیزی کے نتیجے کے طور پر بالآخر نمودار ہوگی اسی طرح نمازی بھی مخصوص ہیئتِ نماز کو وقت مقررہ پر ادا کرنے کو چونکہ معافی نامہ ذنوب صغیرہ

فرائض

فرائض داخلی (۱) تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہنا

(۲) قیام یعنی سیدھا کھڑا ہونا اس طرح پر کہ اگر ہاتھ چھوڑے جاویں تو گھٹنوں پر نہ پہنچیں۔ اگر گھٹنوں پر پہنچ جائیں گے تو قیام ادا نہ ہوگا۔

(۳) قرأت یعنی ایک آیت کا پڑھنا

(۴) رکوع یعنی اس قدر جھکنا کہ اگر دونوں ہاتھ پھیلا دے تو زانو پکڑ لیوے۔

(۵) سجدہ یعنی ناک اور پیشانی دونوں زمین پر رکھے اور پاؤں کی انگلیوں میں سے کم از کم ایک انگلی کا ٹکا رہنا بھی شرط سجدہ ہے۔

(۶) قعدہ آخر یعنی بمقدار تشہد آخیر نماز میں بیٹھنا۔

فرائض خارجی (۱) اندام پاک (۲) جامہ پاک (۳) جگہ پاک (۴) ستر عورت (۵) نیت (۶) وقت۔

ان کو ارکان کہتے ہیں بجز تکبیر تحریمہ کے کیونکہ تکبیر تحریمہ شرط ہے اور نماز کے ساتھ ایسی ملی ہوئی ہے جیسے دروازہ گھر سے۔

واجبات

(۱) فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں کو قرأت کے لئے معین کرنا۔

(۲) الحمد شریف کا پڑھنا (۳) الحمد شریف کا سورۃ سے پہلے پڑھنا (۴) الحمد شریف کا ایک دفعہ پڑھنا

(۵) فرض نمازوں میں پہلی دو رکعتوں میں اور واجب اور سنت کی سب رکعتوں میں سورۃ کا ملانا (۶) ترتیب رکعتوں اور درمیان دو سجدوں کے (۷) قومہ (۸) جلسہ (۹) تعدیل یعنی اعضا کا ساکن کرنا مقدار سبحان اللہ کہنے کے رکوع اور سجود اور قومہ اور جلسہ میں (۱۰) امام کو جہری نمازوں میں مثلاً فجر مغرب عشا جمعہ عیدین تراویح اور رمضان کے وتر میں پکار کر پڑھنا اور دوسری نمازوں میں مثلاً ظہر و عصر کے آہستہ پڑھنا۔

(۱۱) پہلا قعدہ تین یا ۴ رکعت والی نماز میں گو نفل ہی ہو (۱۲) تشہد دونوں قاعدوں میں یعنی اول و آخر دونوں قاعدوں میں التحیات کا پڑھنا (۱۳) لفظ السلام کے ساتھ نماز سے نکلنا (۱۴) تکبیر قنوت (۱۵) قرأت قنوت (۱۶) تکبیرات عیدین (۱۷) مقتدی کا قرأت سے چپ رہنا (۱۸) امام کی تابعداری مقتدی کو کرنا۔

(۱۹) سجدہ تلاوت۔

اعتراض ۲: اگر نماز کے ظاہری ارکان زیادہ اہم ہوتے جیسے کہ بتایا جا رہا ہے تو حضور پرنورؐ "لا صلوٰۃ الا بحضور القلب" فرما کر نماز کے اندر توجہ الی اللہ کو خفیف جاننے والوں کو اس قدر سخت لہجہ میں تنبیہ نہ فرماتے کہ "بغیر حضور قلب نماز نہیں ہوتی" یعنی اگر نماز میں نمازی کا قلب حاضر نہیں رہا تو سرے سے اس کی نماز ہی نہیں ہوئی۔

جواب:۔ بعض لوگ توجہ الی اللہ کو حضوری قلب سمجھتے ہیں مگر جیسا مقدمہ میں ثابت کیا جا چکا ہے توجہ الی اللہ مقامات ولایت میں ایک ضروری شئے سہی لیکن مقامات نبوت میں اس کی چنداں ضرورت نہیں رہتی اور اسی لئے ادائیگیٔ فرائض میں توجہ الی اللہ بسا اوقات نقص کا باعث ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کے جلال و عظمت کے رعب یا اس غفور الودود کے رحم و کرم کی لذت سے توجہ الی اللہ کرنے والا عموماً اس قدر مغلوب الحال ہو جاتا ہے کہ وہ اکثر بھول بھول جاتا ہے کہ نماز کے کون سے ارکان ابھی میں نے ادا کئے ہیں اور ابھی کونسے باقی ہیں کتنی رکعت پڑھ چکا ہوں اور ابھی کتنی اور پڑھنی ہیں اور اس طرح وہ اپنی نماز کو درستی کے ساتھ ادا نہیں کر سکتا۔ بنابریں حضور قلب سے مراد توجہ الی اللہ تو ہونی نہیں چاہیئے اور نہ ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک نماز گذار دوران نماز اپنے دل کو ہمیشہ اس بات کی طرف حاضر رکھے کہ اس کی ہر حرکت (خواہ جوارح سے ہو خواہ زبان سے) حکم خدا کے مطابق ہو رہی ہے یا نہیں یعنی ہر نمازی ہر وقت یہ دھیان رکھے کہ وہ نماز کے فرائض واجبات سنن اور مستحبات پورے طور سے ادا کر رہا ہے یا نہیں۔

مندرجۂ ذیل تفصیل سے معلوم ہو گا کہ نماز کے فرائض داخلی ۶ ہیں اور فرائض خارجی بھی ۶ ہیں۔ واجبات ۱۹۔ سنن ۲۵ اور مستحبات ۷ ہیں اس کے علاوہ مفسدات نماز (۱۲ قولی اور ۱۳ فعلی) ۲۵ ہیں اور مکروہات نماز (۲۳ تحریمی اور ۲۵ تنزیہی) یہ کل ۱۳۶ ہوئے۔ اور یہ تعداد اس قدر ہے کہ صرف ان ہی کا خیال نماز میں ایک نمازی کو مشغول رکھنے کے لئے کافی ہے۔

آپ اندازہ لگا سکے ہونگے کہ جب ایک نمازی کو اتنی باتوں کا خیال رکھنا پڑیگا تو پھر اس کو کہاں مہلت مل سکیگی کہ اُس کا دل ان ارکان کے علاوہ اور کہیں کہیں مارا مارا پھرے اپنی احکامات خدا کی طرف توجہ رکھنے کا نام حضور قلب خشوع خضوع ہے اور حدیث نفس کا دل میں خیال نہ آنا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں :۔

کہ "لا صلوٰۃ الا بحضور القلب" سے مراد نماز کے فرائض واجبات سنن ومستحبات کی ادائگی ہے یعنی ان امور اربعہ کے ادا کرنے میں دلکو حاضر رکھا جائے تاکہ ان امور میں سے کسی کے بجا لانے میں فتور واقع نہ ہو۔ اس حضور یعنی خشوع وخضوع کے سوا اور کوئی حضور اس فقیر کی سمجھ میں نہیں آتا۔ بعض لوگ ان امور کے جان لینے کو کافی سمجھتے ہیں اور ان کے عمل میں سستی کرتے ہیں وہ کمالات نماز سے بے نصیب رہتے ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ مبتدی اور منتہی کی نماز میں فرق عامل کی جہت سے ہے نہ کہ عمل کی جہت سے۔

جن لوگوں نے مذکورہ بالا مطلب کے علاوہ حضور قلب کے معنی اور کچھ لئے ان کی تحریریں مختصراً ذیل میں لکھی جاتی ہیں جن سے پتہ چلے گا کہ ان کے خود تراشیدہ اور غلط نظریہ نے ان کو کہاں سے کہاں گرا دیا۔

(ا) اگر کوئی شخص اس حالت سے نماز پڑھتا ہے کہ اس کے دل میں کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو یقیناً وہ نماز نہیں ہے۔

(ب) ایک مذہب کی تمام عبادات کا مقصود بھی صرف یہی ہے کہ ہم میں تمام نوع انسانی کے فرائض کا احساس باقی رہے اور ہمارے دل سے اس کی کھٹک نہ مٹنے پائے ورنہ ظاہر ہے کہ محض کھڑا ہونا۔ بیٹھنا اور پھر اٹھ جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

(ج) نماز میں اگر ایک شخص کا رکوع وسجود حقیقتاً دل کی اس کیفیت کے ساتھ ہے جو بے اختیار انہ طور پر انسان کو جھک جانے پر مجبور کرتی ہے تو اس کی نماز واقعی نماز ہے ورنہ اک فعل عبث ہے اور خدا کی توہین ہے۔

(د) نماز کا اصل مقصد صرف تضرع اور خشوع الی اللہ ہے۔۔۔

سنن

(۱) اٹھانا دونوں ہاتھوں کا تحریمہ کے لئے کانوں کی لوتک تکبیر سے پیشتر۔
(۲) تکبیر کے وقت انگلیوں کا قبلہ رُخ اور کشادہ رکھنا (۳) امام کو تکبیرات یعنی تحریمہ وانتقالی پکارکر
کہنا بقدر اس کی حاجت کے اگر ان تکبیرات سے امام کی نیت صرف لوگوں کو ہی خبردار کرنے کی ہوگی اور اپنی نماز کی
تکبیرات کی نہ ہوگی تو نہ امام کی نماز ہوگی نہ مقتدیوں کی (۴) ناف کے نیچے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر باندھنا
(۵) ثنا پڑھنا (۶) اعوذ پڑھنا (۷) بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا (۸) پچھلے فرض کی ۲ رکعتوں میں صرف الحمد پڑھنا
(۹) آمین پڑھنا (۱۰) ثنا اور اعوذ بسم اللہ اور آمین کو آہستہ پڑھنا (۱۱) قرأت مسنون پڑھنا (۱۲) تکبیرات
انتقالی یعنی رکوع اور سجدہ وغیرہ کے لئے اللہ اکبر کہنا۔ (۱۳) رکوع میں تسبیح سبحان ربی العظیم ۳ بار کہنا (۱۴) رکوع
میں دونوں گھٹنوں کو ہاتھوں کی کشادہ انگلیوں سے پکڑنا (۱۵) امام کو سمع اللہ لمن حمدہ بالاجماع کہنا۔ اور مقتدی
کو بلا اختلاف ربنا لک الحمد پڑھنا اور تنہا کو دونوں پڑھنا (۱۶) سجدوں میں دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنوں کا پہلے
پیشانی سے رکھنا (۱۷) سجدوں میں ۳ بار سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنا (۱۸) جلسہ اور تشہد میں داہنا پاؤں کھڑا رکھنا اور
بایاں پاؤں بچھانا اور کھڑے پاؤں اور بچھے ہوئے پاؤں کی انگلیوں کو بھی قبلہ رخ رکھنا سنت ہے (۱۹) ہر جلسہ
میں دونوں ہاتھ زانوں پر رکھنا (۲۰) درود شریف کا پڑھنا قاعدہ آخیر میں (۲۱) دعا کا قاعدہ آخیر میں پڑھنا (۲۲)
پھیرنا منہ کا دائیں اور بائیں سلام کے وقت (۲۳) امام کو فرشتوں اور مقتدیوں کی نیت کرنا (۲۴) امام کا پست
کرنا دوسرے سلام کا بہ نسبت پہلے سلام کے (۲۵) سلام پھیرنا ان لفظوں سے اسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مستحبات

(۱) مرد کو وقت تکبیر تحریمہ کے دونوں ہاتھ آستینوں سے باہر نکال لینا (۲) دونوں قدموں کے درمیان
بقدر ۴ انگشت کا فاصلہ چھوڑنا (۳) منفرد کو رکوع اور سجدے میں ۳ بار سے زیادہ تسبیح کہنا (۴) قیام کے
وقت اپنی سجدہ گاہ پر اور رکوع میں دونوں پاؤں کی پیٹھ پر اور سجدے میں ناک کے سرے پر اور قعدے میں اپنی گود
پر اور پہلے سلام میں اپنے داہنے شانہ پر اور دوسرے سلام میں بائیں شانہ پر نظر رکھنا (۵) رکوع میں انگلیوں کا
کشادہ رکھنا اور سجدہ میں ملا ہوا رکھنا (۶) جمائی کے وقت منہ بند رکھنا (۷) جہاں تک ممکن ہو کھانسی ولے کا
کھانسی کو دفع کرنا۔

پس معلوم ہوا کہ نماز کے اندر خشوع و خضوع یا حضورِ قلب اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی طرف توجہ کرنا ہے۔

اعتراض نمبر ۳

اگر جسمانی حصہ نماز افضل ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں نماز کے متعلق یوں نہ ارشاد فرماتے کہ "تحقیق نماز بے حیائیوں اور برائیوں سے روکتی ہے" جب تک نمازی اپنے دل پر اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کی حقیقت طاری کرکے معاصی و مناہی سے محترز رہنے کا عہد واثق نہ کریگا وہ کس طرح بے حیائیوں اور برائیوں سے بچ سکتا ہے اور عظمت الٰہی کا خیال پیدا کرنا اور منہیات سے بچنے کا عہد کرنا روحانی حصہ نماز کے نتائج ہیں پس معلوم ہوا کہ روحانی حصہ نماز ہی ایک نمازی کو نماز کے نتائج حسنہ دلا سکتا ہے نہ کہ نماز کا جسمانی حصہ۔

جواب

یہ بات بالکل سچ ہے کہ نماز بے حیائیوں اور برائیوں سے روکتی ہے لیکن اس بات میں البتہ کلام ہے کہ نماز کے اندر اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کرنے سے دل پر ایسا اثر ہو جاتا ہے کہ ایک مومن بے حیائیوں اور برائیوں سے باز آجاتا ہے کیونکہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک تائب مومن اس قسم کا عہد نماز کے علاوہ بھی اکثر کرتا رہتا ہے اور متقی پرہیزگار بن جاتا ہے پس صرف نماز ہی منہیات سے بچنے کا ذریعہ نہیں کہی جا سکتی ہاں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نماز کے اندر چونکہ ایک خاص قسم کا قرب نماز گذار کو میسر ہوتا ہے اس لئے ایسے وقت کا عہد دوسرے اوقات کے عہد کی بہ نسبت زیادہ موثر ہوتا ہے اور اسی لئے کلام پاک میں نماز کو منہیات سے بچنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے یہ بات دلکو ضرور لگتی ہے لیکن جیسا کہ پہلا بیان کیا جا چکا ہے اس قسم کا قلبی تاثر اکثر نماز پڑھتے وقت ارکان نماز سے غفلت و نسیان کا سبب بن جاتا ہے پس شریعت حقہ نے ایسے قلبی تاثرات کو نماز کے ارکان و شرائط میں داخل نہیں کیا کیونکہ اگرچہ یہ ایک قابل قدر کیفیت ہے لیکن اصل نماز میں خلل انداز ہونے کی وجہ سے کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور اس کے برعکس صرف ارکان نماز کی طرف دھیان رکھنے کو اہم بتا کر ان کو کافی گردانا اگر غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ نماز کو جو منہیات سے بچنے کا ذریعہ فرمایا ہے وہ اس لئے نہیں کہ اس کے اندر تائب ہونے کا خیال خود بخود ایک مومن کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے بلکہ اسلئے

(و) ہماری یہ سخت درجہ نادانی ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ جو شخص پانچ وقت مسجد میں جاکر رسمی نماز ادا کرلے اور سال کے بعد ۳۰ روزے پورے کر لیا کرے۔ تو اس نے اسلام کا حق ادا کر دیا۔ صحیح معنوں میں مسلمان صرف وہ ہے جو حکم خدا کے مطابق خدا تعالےٰ کے جملہ شرعی اور فطری اور قدرتی قوانین سے پورا پورا فائدہ اٹھائے اور اللہ تعالےٰ کے پیدا کردہ اسباب و ذرائع سے کام لیکر خلافت الٰہی کا حقدار بن جائے۔

(ز) اصل نماز یہ ہے کہ انسان کا دل کسی خاص طرف لگا ہوا ور اس کو یہ علم ہو کہ میرے اس فعل کا ... ان الفاظ کا یہ منشا ہے۔

(ز) اصل نماز تو قلب پر ایک خاص حالت کا وارد ہونا اور ظاہر افعال صرف اس قلبی حالت کو ظاہر کرنے والے ہیں۔

(ح) قرآن کے نزدیک الصلوٰۃ وہ شئے ہے جو تکیف دل نتیجہ خیز اطاعت۔ ضبط نفس۔ توقیت عمل اخوت و موالات تعاون و محافظت پیدا کردے۔ محمدی نماز کے ظواہر اور ارکان سے اس کو کچھ سروکار نہیں

(ط) نماز میں رسماً ہاتھ باندھ لینا یا گھٹنوں کے بل گر پڑنا نہ عبادت ہے نہ رکوع جب تک خوف و رجا کا بھی تعلق اصالتاً موجود نہ ہو اور گردنیں رسماً نہیں بلکہ عملاً بلکہ جبراً خدا کے آگے جھکیں۔

(ی) نماز میں حضوری دل نہ ہونے کا بڑا باعث اس کے صحیح مطالب کو نہ سمجھنا ہے۔

(ک) انجام کی فکر ہو شریعت یہ ہے۔ حال مدفن وفا رہے ریاضت یہ ہے۔ ؎ زاہد سے کہو نماز روزہ ...

سچ پوچھئے تو اس قسم کی تحریروں اور تقریروں ہی نے عام مسلمانوں

کو نماز کی طرف سے بے پرواہ بنادیا ہے حالانکہ یہ نماز کی ظاہری ہیئت اللہ بزرگ و برتر کو اس قدر پسندیدہ ہے کہ دنیا بھر کی طرز عبادات کو اس کے مقابلے میں بزبان نبی امی نامقبول اور مردود ٹھہرا دیا اور بات بھی ٹھیک۔ اللہ تعالےٰ کی ذات مقدس کے لائق وہی عبادت ہو سکتی ہے جو خود اس ذات پاک نے اپنے لئے پسند کی ہو۔ انسان ناپاک اس پاک ہستی کی عبادت کے لئے اگر کوئی طریقہ منتخب بھی کریگا تو یقیناً گویا ایسا ہوگا جس میں ناپاکی کی آمیزش ہوگی اور اسی لئے وہ اس پاک بارگاہ میں پیشکش کے لائق نہ ہوگا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ سرکار انگریزی کے ڈاکخانہ والے سیونگ بنک میں روپیہ داخل کرنے کے بعد اگر ہم اپنا ہی روپیہ نکالنا چاہتے ہیں تو ڈاکخانہ ہی کے منظور کردہ فارم پر نکال سکتے ہیں اور ڈاکخانہ ہمارا ہی روپیہ ہمیں اس ضابطہ کے بغیر کبھی نہ دیگا خواہ ہم ڈاکخانہ کے منظور کردہ فارم سے کہیں زیادہ بہتر کاغذ پر درخواست لکھکر طلب کیوں نہ کریں

کا سا کام کیا اور اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ اب لگا اپنی آمدنی کو بڑھانے اور خرچ کو کم کرنے یہانتک کہ آخر کار وہ بھی کھاتہ رکھنے کی بدولت فضول خرچی کی عادت بد سے نجات پا گیا۔ آپ نے دیکھا کہ کس طرح ایک خیر اندیش مہربان باپ نے بہی کھاتہ باقاعدہ رکھنے کو مرض اسراف کا علاج سمجھا اور اس کے طفیل اپنے لاڈلے بیٹے کو راہِ راست پر لے آیا۔ بعینہٖ اسی طرح نماز کی مداومت کی تاکید کی گئی ہے تاکہ کسی نہ کسی دن اس کی وساطت سے ایک نمازی فواحش و منکرات سے بچ جائے چنانچہ صاف صاف ارشاد فرمایا کہ "تحقیق نماز بے حیائیوں اور برائیوں سے روکتی ہے"۔

ایک شبہ اور اسکا ازالہ

بات تو صرف اتنی ہی تھی جو اوپر بیان کی گئی مگر نماز کے روحانی پہلو کو اہم جاننے والے ایسی صریح اور بیّن آیت مبارکہ کو قرآن مجید میں پڑھکر بھلا کب چوکنے والے تھے۔ وہ اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے کلام میں زور پیدا کرنے لگے اس زور میں یہانتک کہہ گئے کہ "مرتکب فواحش کی نماز ایک فعل عبث ہے۔ اور ایسے شخص کی نماز خدا تعالیٰ سے نزدیک کرنے کی بجائے بلکہ اور زیادہ دور کر دیتی ہے"۔ اور اس کے ساتھ یہ دلیل چسپاں کر دی کہ دوران نماز میں چونکہ نمازی نے اپنے خداوند تعالیٰ سے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کہہ کر یہ وعدہ کیا تھا کہ "(ہم) میں صرف تیری ہی عبادت کروں گا" اور حالانکہ اس نے عبادت اپنے نفس کی کی کیونکہ بےحیائی کے ارتکاب کے وقت اس نے اپنے نفس امارہ کا حکم مانا گویا خداوند تعالیٰ کے علاوہ اپنے نفس کی عبادت کی۔ پس ایسے بدعہد نافرمان شخص کا دوبارہ ڈھیٹ بنکر دربار عفوّ و شکر میں حاضر ہونا (یعنی نماز پڑھنا) بڑی بھاری گستاخی نہیں تو اور کیا ہے اور یہ گستاخی اسکو حقتعالیٰ کی نظروں میں ثواب کے بجائے عذاب کا مستحق بنا ڈالتی ہے۔

ان بچاروں نے اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور کرم وسیع کو دنیاوی حکام یا والدین کے رحم و کرم کی طرح سمجھا جو اپنے نافرمانوں سے بیزار یا ناراض ہو جایا کرتے ہیں۔ اُس رؤف الرحیم کی بارگاہِ عالی کا دروازہ عفو کبھی بند نہیں ہوتا یہانتک کہ اجل نہ آجائے

کہ ہں کی پانچوقتہ مداومت ہر مومن کو مجبور کرتی رہتی ہے کہ وہ ظاہراً اپنے بدن لباس وغیرہ کو ہر وقت پاک رکھے اور مزید براں ایسے لوگوں کے روبرو بغیر ندامت محسوس کئے اپنے تئیں اٹھنے بیٹھنے کے لائق بنا رکھے جو اس کے ساتھ نماز میں جماعت کے اندر شامل ہوتے رہتے ہیں اور فی الحقیقت نماز کی اسی خصوصیت کی طرف کلام الٰہی میں اشارہ ہے کہ یہ نماز ایک پکے نماز گذار کے لئے اس قسم کا ماحول پیدا کر دیگی جس کے رعب سے وہ نیک بندوں کے سامنے (نہیں بلکہ خود اللہ پاک کے سامنے) اپنا پُرعصمت دل اور غیر معصوم ضمیر لیکر بار بار حاضر ہوتے ہوئے شرمائیگا اور اس طرح پر وہ اپنے گناہوں سے رفتہ رفتہ باز آجائیگا کم از کم وہ ان کبیرہ گناہوں سے ضرور ہی بچنے کی کوشش کریگا جو عوام کی نظروں اور خبروں میں بہت جلد آجایا کرتے ہیں اور صغیرہ گناہوں اور ایسے معاصی سے جو مخفی رہ سکتے ہیں بچنے کی کھٹک کم از کم دن میں پانچ مرتبہ ضرور محسوس کرے گا اور یہ کھٹک ایک نہ ایک دن بالآخر اپنا رنگ دکھائیگی اور ایسے پکے نماز گذار عاصی کو کبھی نہ کبھی توبۃ النصوح پر آمادہ کر ہی دیگی۔

اس کے متعلق ایک قصہ یاد آگیا۔ ایک مالدار شخص کا صرف ایک ہی لڑکا تھا اور بہت لاڈلا پس وہ عیاش بھی نکلا اور خرّاچ بھی باپ کی نصیحت اسکو ان عیوب سے باز نہ رکھ سکی یہاں تک کہ باپ کی موت کا وقت آن پہنچا اس وقت باپ نے بیٹے کو بلا کر کہا کہ بیٹا! میری زندگی میں جب تو میری فہمائش کثیر کے باوجود فضول خرچیوں سے باز نہ آیا تو اب میرا یہ امید رکھنا فضول ہے کہ میری وفات کے بعد تو اپنی عادت اسراف چھوڑ دیگا لیکن خیر میرے بعد اب تو جو چاہے کرنا لیکن اگر میری ایک اور صرف ایک نصیحت پہ عمل کرتا رہیگا تو باوجود تیری عیاشیوں کے بھی میری روح تجھ سے بہت خوش رہیگی اور وہ نصیحت یہ ہے کہ روزانہ اپنی آمد و خرچ کا حساب لکھتے رہنا اور اگر کسی وجہ سے نہ لکھ سکے تو خیر کسی دوسرے سے لکھوا لینا مگر دیکھنا اس میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔ بیٹے نے اس آخری وصیت کو بخوبی قبول کر لیا اور اس پر اپنا پورا عمل کیا برسوں گذر گئے اور عیاشی کی چال میں فرق نہ آیا آخر کار ایک دن منیم جی نے آکر اطلاع دی کہ حضور کھاتہ میں آج کی بقایا رقم اتنی کم ہے کہ اگر یہی حال اخراجات کا رہا تو اس مہینے کے لئے بھی کافی نہ ہوسکے گی۔ بس پھر کیا تھا اس خبر وحشت اثر نے بے لگام گھوڑے کے لئے لگام

آپ نے کسی حدیث مبارک میں یہ نہ پڑھا یا سنا ہو گا کہ جناب سرورِ کائنات صلعم نے کسی ایسے صحابیؓ کو جس کا کوئی فعل کبھی فواحش کی زد میں آگیا تھا نمازیں دھرانے کا حکم دیا ہو یا اس کو یوں فرمایا ہو کہ تیری پچھلی عبادت سب اکارت گئی یا تو آئندہ کوئی نماز نہ پڑھنا جب تک کہ فواحشات کو بالکل نہ چھوڑ دے۔

امام ابن تیمیہؒ کا قول ہے کہ صبر بر طاعات کا درجہ صبر از پرہیز محارم سے اکمل و افضل ہے کیونکہ نبیؐ کے نزدیک فعل طاعت ترک معصیت سے زیادہ محبوب ہے اور عدم طاعت کا نقصان وجودِ معصیت کے نقصان سے زیادہ سنگین ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضورؐ کو نقش والی چادر نے نماز کے اندر اپنے ساتھ مشغول کر لیا تھا لیکن آپ نے اس نماز کو دوبارہ نہیں دھرایا۔ ہاں البتہ ایسی حدیث ضرور ملتی ہے جس میں ایک صحابیؓ کو جلد جلد نماز پڑھنے کی وجہ سے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضورؐ کو جسمانی حصہ نماز کی کوتاہی قبول نہ تھی برخلاف اس کے نماز کے روحانی حصہ میں کوتاہی کرنے والے کی نماز قبول فرمالی۔ کیونکہ بذریعہ نماز روح کو پاکیزہ نہ بنانے پر بھی ایک عاصی صحابی کو نماز دھرانے کا حکم نہ دینا گویا نماز کو قبول کر لینا ہے۔

اس عبارت سے یہ مقصود نہیں کہ نماز پڑھنے والے مسلمانوں کو فواحشات سے بچنے کی بجائے اُن کو ارتکاب فحش کے متعلق ایک قسم کی ترغیب یا اجازت مل جاتی ہے اس قسم کا قیاس گناہ ہے اگر کوئی نمازی نماز پڑھنے کے باوجود بھی ارتکاب فواحشات سے بچنے کی استعداد پیدا نہیں کر سکا تو ہمارا یقین ہے کہ اس نے نماز کا ایک بہت ہی بڑا مقصد فوت کر دیا اور ایسے ہی نمازیوں نے نماز کو عوام الناس کی نظروں میں سبک اور ذلیل بنا رکھا ہے دوسرے اعمال شرطیہ مثلاً روزہ رکھنا۔ ڈاڑھی رکھنا وغیرہ کی بہ نسبت نماز میں بے حیا کاموں سے روکنے کی زیادہ صلاحیت ہے کیونکہ مداومت نماز باجماعت سے ایک قسم کا احساس وقار یعنی ثقاہت و بزرگی کا خیال خفیہ طور سے نمازی کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے لوگوں کے دلوں میں رفتہ رفتہ جاگزیں ہوتا چلا جاتا ہے اور وہ ایسا نمازی شخص اپنے اس

حضرت مولانا ابوسعید ابوالخیرؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

رُباعی

باز آباز آ ہر آنچہ ہستی باز آ۔ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ۔
ایں درگہِ ما درگہِ نو میدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ۔

ترجمہ

باز آ۔ باز آ۔ خواہ تو کیسا ہی ہے پھر بھی باز آجا۔ چاہے تو کافر ہے یا آتش پرست یا بت پرست پھر بھی باز آ ہماری درگاہ مایوس کن درگاہ نہیں ہے۔ اگر تو نے سینکڑوں دفعہ بھی توبہ کرکے توڑدی ہے پھر بھی باز آ

نماز سے بیشمار فائدے حاصل ہوتے ہیں اور ان سب کا احاطہ کرنا عقل انسانی کی رسائی سے ماوراء ہے۔ منجملہ ان فوائد کے یقیناً ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ نماز بے حیائیوں اور برائیوں سے روکتی ہے۔ لیکن یہ کیونکر ثابت ہوگیا کہ اگر نماز پڑھنے والا اپنے نفس کو بے حیا کاموں سے نہیں بچا سکا تو ایسے گنہگار کو نماز کی اور دوسری برکتوں اور سعادتوں سے بھی محروم کردیا جائیگا۔

نماز کی غرض و غایت صرف انّھا عن الفحشاء والمنکر جتانے سے ایک بہت گمراہ کن خیال یہ پیدا ہو جائیگا کہ نماز کے ذریعہ سے روح کو کما حقہٗ پاکیزہ بنا لینے کے بعد نماز ضرور ایک عمل فضول بنکر رہجاتی ہوگی۔ تمام دنیا جانتی اور مانتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں نے آخر دم تک نماز پڑھی یہانتک کہ خود سرکار دو عالم صلعم نے بھی حیات مبارک کے آخیر تک صحابہ کرامؓ کو اقتدا کی سعادت بخشی اگر نماز کی غرض صرف تہذیب اخلاق ہی ہوتی تو مقربان خدا اپنی موت سے بہت پہلے نماز پڑھنا ترک فرما دیتے۔ حالانکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے پتہ چلتاہے کہ نماز میں علاوہ تہذیب اخلاق کے اور بہت سے فوائد مضمر ہیں۔ اسی لئے سوائے خاص خاص مواقع و موانع مثلاً جنون۔ سُکر وغیرہ کے نماز کو کسی وقت بھی ترک کرنا روا نہیں رکھا گیا پس اگر کوئی مسلمان مرتکب فواحش نماز پڑھتا ہے تو وہ دوسرے فوائد تو یقیناً حاصل کرلیتا ہے۔ تہذیب اخلاق پر زور دینے والے اصحاب نماز کے متعلق غیر مستند اور گمراہ کن کلام پیش کرکے بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ہو کر اپنے وطن میں اس مومن کا ایمان کعبہ معظمہ کے متعلق پھر ایمان بالغیب ہو گیا۔ لیکن پہلے ایمان بالغیب کی بہ نسبت جو حج سے پہلے تھا والپسی پر ایمان بالغیب بہت مضبوط ہے بلکہ کعبہ معظمہ کے ایمان شہودی سے بھی زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے۔ دید کعبہ معظمہ کی برکت اور اس بلد امین کا نیک ماحول ایک حاجی کو نیک رکھنے میں معاون ہوتا ہے اور وطن میں آکر وہ ماحول نہیں رہتا بلکہ غیر صالح لوگوں کا میل جول بعض اوقات اس کو غیر صالح بنا ڈالتا ہے۔ صحابہ کرامؓ میں دولت ایمان اتقدر وافر تھی کہ اخلاقی یا روحانی کمزوریاں اُن کے ایمان کو گھٹا نہ سکتی تھیں اور نہ گھٹا سکیں اسی وجہ سے اہلِ سنت والجماعت کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کا مرتبہ تمام امت سے بڑھکر ہے۔ اسی مضمون کی دوسرے عنوان سے اسطرح صراحت ہوسکتی ہے کہ گناہ کے لحاظ سے انسان کی ۵ قسمیں ہوسکتی ہیں:۔

(۱) اللہ تعالےٰ نے انبیاءؑ کو اس فطرت پر تخلیق کیا ہے جیسا کہ مقدمہ ۳ میں لکھا جا چکا ہے کہ ان کے نفوس قدسی ذات باری تعالےٰ کے قرب کے طفیل ایسے ہو جاتے ہیں جیسے کہ روشن آتشدان میں گرما کر مجسم آگ بنا ہوا لوہا۔ حالانکہ لوہا لوہا ہی رہتا ہے اپنی ماہیت بدل کر آگ نہیں بن جاتا مگر اب اس آگ کی مانند بنے ہوئے لوھے پر لوھے کے احکام جاری نہ ہونگے۔ بلکہ آگ کے احکام جاری ہونگے اسی بناء پر نبیؐ کے نفس پر عوام کے نفس کے احکام جاری نہیں ہوتے بلکہ نبی کے ارادہ یا فعل پر اللہ تعالےٰ کے ارادے یا فعل کے احکام جاری ہوتے ہیں "ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ" یعنی "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت خدا کی اطاعت کی" میں اسی رمز کی طرف اشارہ ہے جس طرح اللہ تعالےٰ کے کسی ارادے یا فعل کو گناہ نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح نبیؑ کے ہر ارادے یا فعل کو بے عیب سمجھنا چاہیئے اور ان کو گناہ نہیں کہہ سکتے۔ زیادہ سے زیادہ انہیں ذلوب یعنی دم چھلے (ذنب بمعنی دُم) یا الزامات کہہ سکتے ہیں۔ حق و باطل میں امتیاز کامل رکھتے ہوئے بھی ان کے ارادے یا افعال منشا یا رضاء الٰہی کے خلاف نہیں جا سکتے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں۔

اگر اس نکتہ کو سمجھ لیتے تو پھر ہمارے مفسّرین کو عصمت انبیاءؑ کو ثابت کرنے کی سر دردی

حاصل کردہ وقار کو فواحش کے ہاتھوں کھوتے وقت زیادہ خوف کھائیگا بہ نسبت اس شخص کے جس نے ایسا وقار اپنی سوسائٹی میں ابھی پیدا ہی نہیں کیا۔

گنہگار صحابی متقی غیر صحابی سے افضل ہے

ایک صحابی ارتکاب گناہ کبیرہ وصغیرہ سے قطع نظر تمام غیر صحابہ افراد امت سے افضل ہے غیر صحابہ میں تابعین۔ تبع تابعین۔ امام۔ مجتہد۔ قطب۔ غوث۔ مجدد۔ محدث۔ اوتاد۔ ابدال نجیب وغیرہ سبھی شامل ہیں۔ یہ بات محض فرط عقیدت کے باعث بیان نہیں کی گئی بلکہ اجماع امت نے اس فیصلے پر اپنی تصدیق ثبت کر رکھی ہے۔ اس فرق مراتب کا راز یہ ہے کہ قرب الٰہی جتنا زیادہ بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی وہ مقرب معصیتوں سے بچنے کی استعداد اپنے اندر پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن یہ معاملہ قرب صرف عروج کے وقت ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس وقت ایک مقرب کا ایمان شہودی ہوتا ہے۔ نزول کے وقت ایسے بزرگ اگرچہ بلحاظ مراتب عروج والے کی نسبت بڑھ جاتے ہیں مگر رجوع کرنے کی وجہ سے عروج کے زمانہ کے حاصل کردہ قرب کی دولت سے بعید تر ہوتے جاتے ہیں یہانتک کہ وہ قالب یعنی جسم کی تاریکیوں میں مسکن اختیار کر لیتے ہیں تاکہ عالم روحانیات کیطرح وہ اپنے عالم مادیات کو بھی سادھ لیں۔ اس وقت ان بزرگوں کا ایمان شہودی نہیں رہتا بلکہ دوبارہ ایمان بالغیب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اور یہی وہ حالت ہے جبکہ وہ عوام کی طرح تمام صفات بشریت کے کامل طور سے حامل نظر آتے ہیں اور اسی رجوع بہ صفات بشریت کا نتیجہ کبھی یہ ہوتا ہے کہ ان سے عوام کی طرح کی لغزشیں سرزد ہو جاتی ہیں بعض اوقات کبیرہ گناہوں تک کے بھی مرتکب ہو جاتے ہیں۔ اس بھید سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض ان بزرگوں کو ان اولیاء اللہ سے بھی کمتر گمان کرتے ہیں جن میں بوجہ ایمان شہودی ارتکاب معصیت کی استعداد مستور ہو چکی ہے مثلاً قبل از حج ایک غیر عرب مومن کا ایمان کعبہ معظمہ کے متعلق ایمان بالغیب ہے مکہ مکرمہ میں پہنچکر کعبہ معظمہ دیکھنے کے وقت اس کا ایمان کعبہ محترمہ کے متعلق ایمان شہودی ہو گیا۔ حج سے واپس

مطلب :- اے مخاطب اگرچہ لفظ شیر اور شیر لکھنے میں ہم شکل اور ایک ہی صورت کے ہیں مگر ان میں بڑا فرق ہے۔ شِیر بمعنی دودھ جس کو انسان پیتے ہیں اور شیر بمعنی درندہ ہے جو آدمی کو کھا جاتا ہے۔ پس پاک لوگوں کے کاموں کو اپنے افعال سے مشابہت دینا نہیں چاہیئے۔

توبہ۔ تحذیب یا تعزیزِ دنیوی۔ تکلیف اخروی۔ صدقہ۔ دُعا۔ شفاعت کی ضرورت عوام کی طرح ان کے گناہوں کو زائل کرنے کے لئے بھی ہوتی ہے۔ اس تقسیم کے لئے صحابۂ کرامؓ کو بھی اسی ذیل میں قیاس کرنا چاہیئے۔

اس لئے ان کے گناہ اگرچہ گناہ کہلائیں گے مگر آخر النبی صلعم کی ذات مستجمع الصفات کی ملاقات جسمانی نے ان کو ایمان میں اس قدر بلند درجہ بخش دیا ہے کہ اب دنیا کا کوئی فرد ان کے ایمان کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا مقدمہ ۲ میں بتایا جا چکا ہے کہ اعمال ایمان کو کم و بیش نہیں کرتے اگرچہ نورانیت و پختگی میں ضرور فرق پیدا کر دیتے ہیں۔ پس کسی صحابی سے اگر کوئی کبیرہ گناہ سرزد ہو بھی گیا تو بھی انکے ایمان میں کمی نہیں پیدا ہوگی اگرچہ ایمان کی نورانیت و پختگی میں فرق ضرور آجائیگا۔ اور توبہ یا حدِ شرعی کے باعث وہ تقصیر نورانیت بھی پوری ہو جائیگی۔

اسی لئے ایک عاصی صحابی کا مرتبہ متقی غیر صحابی سے بہت بلند اور ارفع ہے۔

اعتراض ۱۲

قرآن مجید میں حسب ذیل صاف صاف درج ہے کہ :-

(ا) نماز بے حیائیوں اور برائیوں سے روکتی ہے۔

(ب) نماز میں خشوع خضوع کرنے والے ہی فلاح یافتہ ہیں۔

(ج) ان کے لئے "ویل" ہے جو نماز میں غفلت برتتے ہیں اور ریاکار ہیں اور ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے (یعنی ہمدردی نہیں رکھتے)

(د) نماز کے پاس بھی نہ پھٹکو جب تک کہ تم نشے میں ہو۔

سزا اٹھانی پڑتی۔

(۲) نابالغ غیر نبی کا نفس برائی کا خیال بھی پیدا کرسکتا ہے اور اس خیال کو فعل میں بھی لا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ نیک و بد میں تمیز کرنے کی استعداد ابھی اس میں نمودار نہیں ہوتی اس لئے ارحم الراحمین نے اس کو معذور گردانا اور مواخذہ سے بری کردیا۔ جونہی اس میں حق (نطفہ) کو باطل (خون) سے الگ کرنے کی لیاقت پیدا ہوئی وہ بھی فطرۃً غیر معصوم بنگیا۔

(۳) بالغ غیر نبی کا نفس امارہ اس کو برائی کی طرف آمادہ بھی کرتا ہے اور تمیز رکھتے ہوئے بھی اس کو ارتکاب جرم میں مبتلا کردیتا ہے۔ اور اسی صلاحیتِ تمیز نے اس کے ہر گناہ کو قابل مواخذہ کردیا۔

(۴) اولیاء اللہ وہ سعید بندے ہیں جو شریعت حقہ کی متابعت کے وسیلے سے اپنے نفس کو مطمئن کرلیتے ہیں اور اس کی ذاتی سرکشی و طغیان کو اعتدال پر لے آتے ہیں۔ اور اس کی شرارت سے محفوظ ہوجاتے ہیں۔ لیکن ان کا نفس باوجود مطمئن ہونے کے اپنی طاقت میں کمزور نہیں ہوجاتا صرف عدل کی برکت سے شرارت نہیں کرسکتا جس طرح راکھ کے اندر چنگاری چھپی رہتی ہے اسی طرح عدل کی راکھ کے نیچے شرارت کی چنگاری پوشیدہ ضرور رہتی ہے۔ غلبۂ عدل فرو ہو جانے پر گناہ میں مبتلا ہوجانے کا خوف لاحق رہتا ہے۔

(۵) پرتوِ نبوت کے پروردہ اولیاء اللہ کے نفوس نبیؑ کے قرب بدنی یا روحانی کے طفیل نبیؑ کے نفس کے طریق پر آجاتے ہیں اگرچہ وہ نبیؑ نہیں بن سکتے جس طرح کہ ایک نبیؑ خدا نہیں بن سکتا۔ اور اسی لئے نبیؑ کی طرح "معصومیت" کا اطلاق ان پر عائد نہیں ہوتا خواہ کمال ایمان نے ان کو دوسرے لوگوں سے ممتاز ہی کردیا ہو۔ مگر ان کے ارادے اور اعمال گناہوں سے ملوث ہوسکتے ہیں چونکہ عوام الناس کے ایمان کو ان بزرگوں کے ایمان سے کوئی نسبت نہیں اس لئے عوام الناس کے گناہوں اور ان کے گناہوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

شیر آں باشد کہ مردم میخورد
شیر آں باشد کہ مردم میخورد

اللہ تعالےٰ کے گھر کی بجائے خود اللہ تعالیٰ کی طرف ہی کیوں نہ کر لیا گیا ہو۔

(۷) نماز با جماعت میں امام اُس کو مقرر کرنا بتایا جو محبت الٰہی میں مغلوب الحال نہ ہو گیا ہو (چاہے وہ ایک ولی ہی کیوں نہ ہو-) کیونکہ نماز کی رکعتوں اور اوقاف و ترتیب کا ایسا امام دھیان نہ رکھ سکے گا۔

(۸) عربی زبان ہی میں نماز کو ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ حالانکہ مادری زبان میں اگر نماز پڑھی جاتی تو زیادہ قلبی تاثیر کا موجب بن جاتی۔

(۹) صحابہ کرام رضی کو تمام امتیوں سے افضل گردانا صرف اس لئے کہ اُن کو آنحضرت صلعم کی ملاقات جسمانی کا شرف حاصل تھا۔ اویس قرنی رضا باوجود ملاقات روحانی حاصل کرنے کے اور مغلوب المحبت رسول ہونے کے بھی اس مرتبہ صحابیت پر نہ پہونچ سکے۔

(۱۰) نماز کے اندر قرآن مجید پڑھتے وقت اس پر غور و خوض کرنے کے لئے یا اُس کے مطالب سمجھنے کے لئے توقف کرنا منع فرمایا۔ حالانکہ روحانیات کی ترقی میں یہ طریقہ زیادہ فائدہ مند ہوتا۔

مندرجۂ بالا حقائق نماز کے حصۂ جسمانی کی اہمیت کو بالکل واضح کر دیتے ہیں اور ان کی موجودگی میں کسی الجھن کا پیدا ہونا ایک وسوسہ ہے جو قابلِ اعتنا نہیں ہو سکتا۔

اعتراض ۵

نماز کے لئے دن بھر گھڑی گھڑی وضو کرنا لباس کی خوبصورتی کا ستیاناس کرتا ہے۔ خصوصاً سردیوں میں کپڑے اتار کر اعضا کو تر کرتے رہنا بیماریوں کو دعوت دینا ہے۔ اسی طرح پانچ مختلف اوقات میں نماز با جماعت کی انتظار میں مسجد میں پڑے رہنا ایسے کاموں کو بخوبی انجام تک پہنچانے میں سخت حارج ہے جو کامل انہماک اور یکسوئی چاہتے ہیں۔ اور غالباً یہ اور اس قسم کی اور باتیں جو صورت نماز کی ادائیگی کے خیال سے ہر نماز گذار کے لئے ناگزیر ہیں مسلمانوں کی مجموعی قلت ذلت اور علت کا اغلب اسباب معلوم ہوتی ہیں۔

اس کے علاوہ احادیث میں یہ پتہ چلتا ہے کہ:-

(ا) بغیر حضور دل نماز نہیں ہوتی۔

(ب) کلام رسول پاک ہے:- میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

(ج) نماز صغیرہ گناہوں کو مٹا ڈالتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

تو پھر اگر جسمانی حصہ نماز کا ہی افضل ہوتا ہے جیسا کہ ظاہر پرست افراد سمجھتے ہیں تو روحانی حصہ کی درستی یا غیر درستی کا ہی ذکر قرآن حدیث میں نہ کیا جاتا بلکہ جسمانی حصہ نماز کی فضیلت کے متعلق بھی کچھ درج ہوتا۔ حالانکہ جسمانی حصے کی درستی یا غیر درستی کے متعلق صاف الفاظ میں کہیں بیان نہیں ملتا بلکہ جسمانی حصہ اگر افضل تھا تو اس کا ذکر تو روحانی حصہ کی نسبت اور زیادہ زوردار طریقہ سے ہونا چاہئے تھا۔

جواب

کتب دینیات میں جس قدر روحانی حصہ نماز کی بابت ذکر آیا ہے اس سے کہیں زیادہ جسمانی حصہ نماز کا ذکر ہے۔ مثلاً:

(۱) جہاد میں بھی اگر وقت نماز آ جائے تو باوجود بے اطمینانی کے نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔ سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس قدر سخت آزمائش اور کرب و بلا میں بھی وقت شہادت نماز ادا کی اور اطمینان کی حالت پانے تک اسکو ملتوی نہ فرمایا۔

(۲) نماز کی صورت کو کافر و مومن میں نشان تفریق بتلایا گیا ہے۔

(۳) "وارکعو مع الراکعین یعنی عبادت گذاروں کے ساتھ ملکر عبادت کیا کرو" کے ماتحت نماز باجماعت ادا کرنے کی تاکید کی اور نماز کی صورت کو ادا کرنے کی خاطر اس کی باطنی جمعیت کے فائدے کو قربان کر دیا۔

(۴) اعضائے انسانی کے دھونے یعنی وضو کو اس قدر اہمیت دی کہ نماز کے اندر حمد خدا اور دعا کو بھی جو عبادت کا مغز کہلاتی ہے وضو کے بغیر کوئی درجہ نہ دیا۔

(۵) نماز کے اندر صرف ان باتوں کو فرض ٹھیرایا جو زبان یا جسم کی حرکات سے ادا ہوتی ہیں اور باقیماندہ امور کو فرائض کا مرتبہ نہ بخشا۔

(۶) کعبہ معظمہ کی صورت کی طرف جسم کا منہ نہ کرنے سے نماز باطل قرار دی۔ خواہ دل کا منہ

اس اعتراض میں بھی وہی بات ہے۔ دولت و مال جمع کرنے کو نماز کے مقابلے میں زیادہ ضروری سمجھا گیا ہے حالانکہ نماز سے جو تونگری یا غنا حاصل ہوتی ہے وہ لٹ جانیوالی یا کم ہو جانے والی دولت کی تونگری سے بہت زیادہ قیمتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ لباس سے حاصل کردہ عزت حقیقی عزت نہیں حقیقی عزت تو ایمان سے ہے۔ کلام پاک میں وارد ہے۔ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی عزت تو اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسولؐ کے لئے اور مومنین کے لئے ہے۔ اگر ایمان نہیں تو لباس کی عطا کی ہوئی عزت ذلت کے مترادف ہے۔ اسی طرح ترک نماز سے اگر کسی نے اپنی صحت کو قائم رکھا بھی تو کیا۔ تعمیل احکام خداوندی کرتے کرتے اگر علیل ہو جاتا تو اس علالت پر بے شمار صحتیں فدا کر دینی چاہئیں تھیں۔ اور اسی طرح نفع بخش کاموں کو ادھورا چھوڑ دینے جو قلت زر نصیب ہوئی ہے وہ اس امیری سے زیادہ تونگری ہے جو تارک نماز حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی لئے حضرت حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ جب تک کوئی علت ذلت قلت میں گرفتار نہ ہو کامل ایماندار نہیں بنتا۔

اعتراض ۶

رُوحانی حصہ نماز کو سبک جاننے والے صورت نماز کی طرح ہر ایک ظاہری حکم و رسمی عمل شریعت کو بڑی سختی سے پکڑ لیتے ہیں اور ان کو اسقدر اہم گردانتے لگتے ہیں کہ اصل دینداری یعنی رُوح مذہب کو جو یاد خدا اور بہبودیٔ خلائق پر مشتمل ہے چنداں وقعت نہیں دیتے اور اسی لئے ایسے لوگ دوسرے مذاہب کو باطل اور ان کے پیروؤں کو باطل پرست جانتے ہیں اور ان کے ایمان کو بے ایمانی اور ان کے اعمال و عبادات کو ثواب کے بجائے قابل عذاب مانتے ہیں۔ چاہے وہ کتنے ہی خدا پرست کیوں نہ ہوں اور نیک عملی کی زندگی بسر کیوں نہ کرتے ہوں۔ صرف اس لئے کہ ان کے ہاں کے عقائد اور احکام و رسوم اسلامی عقائد اور احکام و رسوم سے یقیناً مختلف ہوتے ہیں اور ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اخوت انسانی پارہ پارہ ہو کر مذہب جنگ و جدال کا سبب بن جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں اللہ رب العالمین نے اسلام کو حضرت آدمؑ سے لیکر آج تک کے تمام انبیاءؑ کا

جواب

اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ایک اعتراض نہیں بلکہ کئی اعتراضوں کا مجموعہ ہے پس ہر ایک اعتراض کا الگ الگ جواب دیا جاتا ہے۔

ا۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ وضو کرتے وقت بار بار لباس کا اتارنا اور پھر پہننا اس کی خوبصورتی کا ستیاناس کر دیتا ہے اور اسی طرح نماز کی نشست و برخاست بھی پوشاک کو میلا کچیلا اور بوسیدہ کرتی رہتی ہے۔ شریعت کے نزدیک اگرچہ لباس کی زینت بھی عزت بخش ہے مگر تقویٰ کی بڑی زینت، "وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ" یعنی پرہیزگاری کا لباس بہترین لباس ہے" کے مقابلے میں اس کو ٹھیک و بجا طور پر حقیر سمجھا گیا ہے کیونکہ عقلمند وہ نہیں جو صرف اچھے اور برے میں تمیز کرلے اتنی تمیز تو بعض حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے بلکہ عقلمند وہ ہے جو دو نیکیوں میں سے بڑی نیکی کو اور دو برائیوں میں سے زیادہ برائی کو پہچان لے اور پھر کمتر نیکی کو چھوڑ کر بڑی نیکی کو اختیار کرے اور زیادہ برائی کو چھوڑ کر اس سے کمتر برائی کو اختیار کرلے۔ اسی اصول پر نماز چونکہ زیادہ کار آمد عمل تھا اس کے مقابلے میں لباس کی پرواہ نہیں کی گئی۔

ب۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ سردیوں میں غسل۔ وضو۔ نماز وغیرہ سے بیمار پڑ جانے کا قوی احتمال ہے۔ تندرستی واقعی ایک بے بہا نعمت ہے اور اس کی حفاظت ہر شخص کو کما حقہٗ کرنی چاہیئے۔ لیکن مذکورہ بالا اصول کی بناء پر تندرستی جیسی عزیز شئے کو بھی شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز کے مقابلے میں اہم نہ جانا۔ حکم خدا کی تعمیل کرتے ہوئے اگر جسم علیل ہو گیا یا ایک انسان مر بھی گیا تو کیا ہوا۔ جسم کو تو آخر ایک نہ ایک دن فنا ہی ہونا ہے۔ خواہ کوئی اُسے کتنا ہی کیوں نہ سنبھال کر رکھے مگر بدیں صورت اس کے معاوضہ میں نماز نے اس کو حیاتِ ابدی بخشدی۔

(ج) تیسرا اعتراض یہ ہے کہ یکسوئی طلب امور نماز کی خاطر بار بار اٹھ اٹھ جانے سے تسلی بخش طریقے سے انجام نہیں پاتے اور جو لوگ اس صورت نماز کو اہم نہیں جانتے وہ بڑے بڑے کام اور عجیب و غریب ایجادات کرنے کی وجہ سے مالدار بنجاتے ہیں۔

قابل عمل جانتے ہیں۔ لیکن شرارت نفس کی وجہ سے اکثر ان کی تعمیل میں کوتاہی کرتے ہیں بلکہ بعض دفعہ ان کی خلاف ورزی کر بیٹھتے ہیں۔

(۴) وہ جو اس حاکم کو اپنا حاکم حقیقی مانتے ہیں اور اس کے احکام کی جان و دل سے حتی الامکان تعمیل کرتے ہیں۔" اس منتظم کے لئے کیا ضروری نہ ہو گا کہ وہ:۔

پہلی قسم کے لوگوں کو پہلے سمجھائے بجان لینے کی صلہ میں خوشخبریاں سنائے اور نہ ماننے پر اس کی پاداش سے ڈرائے اور اگر باز نہ آئیں تو ان کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ ان کی تکالیف و شرارت سے خود بھی بچے اور امن پسند میلے والوں کو بھی بچائے۔ اور اگر پھر بھی باز نہ آئیں تو ان کو مغلوب کر کے ان کی شرارت کا قلع قمع کرے یا حدود اجتماع سے باہر نکال دے اس طرح پر کہ پھر ان کا وہاں کوئی اثر نہ رہنے پائے۔

دوسری قسم کے لوگوں کو جو باعتبار علم باغی ہیں مگر عملاً نہیں یعنی وہ علانیہ بغاوت نہیں کرتے۔ سمجھا بجھا کر اپنے مرتبہ کی حقانیت ان پر ثابت کرے اور قوانین مروجہ کی پیروی پر انہیں مجبور کرے۔ اگر وہ نہ مانیں تو ان کو مغلوب کر کے امن شکنی کی پاداش میں سزائیں دے اور ان کا یہ عذر قبول نہ کرے کہ میرے نزدیک تو فلاں قانون بہتر ہے اس لئے میں صرف اس کی پیروی کرونگا اور آپ کے مجوزہ قانون کو چونکہ میں نے موجب امن نہیں مانا اس لئے اس کی تعمیل نہیں کی تھی۔

تیسری قسم کے لوگوں کو وہ ان کے قصور اور جرم کے اندازہ کے موافق سزائیں دے۔

چوتھی قسم کے لوگوں کو خوشحال رکھے اور ان کی عزت افزائی کرتا رہے۔

اس خالق کائنات نے بھی اس دنیا کو ایک میلہ کی طرح پیدا کیا ہے جس کے انتظام کے لئے ہر زمانہ میں ایک نہ ایک منتظم متعین کیا ہے۔ جنکو مذہب کی اصطلاح میں ہادی مصلح نبیؑ یا رسولؐ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ ابتدا میں اس میلے کے انتظام کیلئے آمد و رفت کی دقتوں کی وجہ سے ایک وقت میں ایک نبیؑ کافی نہ ہوتا تھا اس لئے بعض دفعہ تو ایک ہی وقت میں کئی کئی نبیؑ آئے اگرچہ ان کے حلقے ایک دوسرے سے علیحدہ تھے لیکن جوں جوں وسائل آمد و رفت اور رسل و رسائل بڑھتے گئے۔ انبیاءؑ کی تعداد میں کمی

اور وہ مذہب بتا کر اور دنیا کے ہر گوشے میں ہر زمانے میں ہر قوم کے لئے ایک نہ ایک ہادی بھیجنے کا ذکر فرما کر گم شدہ اخوت انسانی کا بیج بو دیا تھا۔

جواب

اس اعتراض کے جواب میں ایک مثال پیش کی جاتی ہے جو حق طلب افراد کیلئے انشاء اللہ تعالےٰ ضرور تسکین بخش ثابت ہوگی۔

فرض کیجئے کہ ایک بڑی وسیع جگہ میں ایک بڑا بھاری میلہ لگا ہوا ہے جس میں جوان بھی ہیں بوڑھے بھی۔ مرد بھی ہیں عورتیں بھی۔ بچے بھی ہیں اپاہج و معذور بھی۔ بیمار بھی ہیں تیمار دار بھی۔ امیر بھی ہیں غریب بھی۔ تاجر بھی ہیں خریدار بھی۔ آقا بھی ہیں غلام بھی۔ اہلکار بھی ہیں اور ان کے خدمتگار بھی۔ قصہ مختصر یہ کہ ہر قسم کے لوگ اس میں شامل ہیں گویا تمام دنیا کا ہر شعبہ اور ہر صیغہ سمٹ کر اپنی تمام گوناگوں مصروفیتوں اور لوازمات اور لواحقین سمیت اس ایک جگہ پر مجتمع ہو گیا ہے۔ بانیٔ اجتماع نے اس میلے کے انتظام و امن کے لئے ایک منتظم بھی مقرر کیا ہے اور ساتھ ہی اس کو ایک مجموعۂ قواعد و ضوابط عطا کر دیا ہے تاکہ وہ اس کے مطابق لوگوں کو زندگی بسر کرنے پر مجبور کرے اور اس طرح اس اجتماع میں سلامتی و امن کی فضا پیدا کر دے اور اس کو فساد کے عنصر سے قطعاً پاک رکھے۔

اگر اس تمام مجمع کا تجزیہ کریں تو معلوم ہو گا کہ اس میں منتظم کو ہر قسم کے لوگ ضرور ملیں گے۔

(۱) وہ جو اس منتظم کو حقیقی منتظم ہی نہیں سمجھتے۔ پس وہ اس منتظم کو مٹا ڈالنے اور اس تنظیم میں خلل ڈالنے کے درپے ہیں۔ بلکہ منتظم حقیقی کے سچا ماننے والوں کو بھی اس منتظم کی طرح قواعد و احکام منتظم پر چلنے نہیں دیتے اور ان کو تکلیفیں پہنچاتے ہیں اور ان کے ساتھ ہمیشہ جنگ و جدال پر آمادہ ہیں۔

(۲) وہ جو اس منتظم کو حاکم جائز نہیں مانتے اور اس لئے اس کے احکام کو بھی درست نہیں جانتے۔ مگر ہاں اپنے نزدیک جن قواعد کو وہ امن بخش سمجھتے ہیں صرف ان پر عمل کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اپنا ہم خیال بنانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

(۳) وہ جو اس منتظم کو تو حاکم جائز مانتے ہیں اور اس کے احکام بھی درست اور

لحاظ سے کمزور پیدا ہوتے ہیں۔ اگرچہ ہدایت کے لحاظ سے روحانی قوت میں بہت طاقتور ہوتے ہیں۔ پس نبیؐ کو پہلی اور دوسری قسم کے لوگوں سے بکثرت واسطہ پڑتا ہے اسی لئے ہر مومن کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ دنیا سے ہر قسم کی برائی کو طاقت سے مٹائے اور اگر وہ مٹانے کی طاقت نہیں رکھتا تو کم از کم اُسے زبان سے ضرور ہٹائے اور اگر بوجہ کمزوریٔ ایمان منکر یا مرتکب منکرات سے خوف کھاتا ہے اور زبان سے بھی نہیں روک سکتا تو کم از کم اُسے دل سے ضرور بُرا جانے۔

مغالطہ ۱

اس مقام پر بعض افراد غلط فہمی پیدا کرتے ہیں کہ طبیب بیماری سے نفرت دلاتا ہے نہ کہ بیمار سے۔ پس ہمیں شرارت کو برا جاننا چاہیئے نہ کہ شریر لوگوں کو۔

حل

کاش ایسا سمجھنے والے اس دنیا کے میلے کو اگر ایک جسم تصور کر لیتے تو اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوتے۔ مذکورہ بالا شریر ہستیاں اس جسم میں بیماریاں ہیں۔ بیمار نہیں۔ بیمار تو میلہ کا جسم ہے۔ "لَا تَسُبُّوا الدَّهرَ" یعنی زمانہ کو بُرا مت کہو" زمانہ یعنی میلہ کو بُرا کہنے سے منع کیا گیا ہے۔

تعجب تو اُن لوگوں پر ہے جو اِن قوانین قرآن مجید کو زمانہ کے اٹل قوانین مانتے بھی ہیں اور پھر یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ دوسرے مذاہب بھی سچے ہیں اور اُن کے پیرو بھی راہ راست پر ہیں اور اوپر چلکر نجات حاصل کر سکیں گے۔ کیا ایک وقت میں ایک جگہ کے دو حاکم ہو سکتے ہیں؟ اور ایک حلقہ میں دو قانون نامے ایک ہی مقصد کے لئے نافذ ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اس زمانہ میں جب آخری نبیؐ کی آخری کتاب ہی مروّجہ قانون ہے تو اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے قانون کو بھی قانون حق تسلیم کرنے والے گمراہ ہیں اور ایسے گمراہوں کو حق پرست ماننا وُہ اصولی غلطی ہے جو دنیا کے اندر وجود فساد کے قیام کا ذریعہ بن رہی ہے۔

ہاں یہ ممکن ہے کہ کوئی ہمارے اس دعوے کو صحیح تسلیم نہ کرے اور یہ کہدے

آنے لگی۔ یہانتک کہ جب تمام میلہ ایک اور صرف ایک نبیؑ کی آواز ہدایت سن سکنے کے قابل ہو گیا تو پھر ایک نبیؑ تمام میلے کے لیے بھیجد یا گیا جو آجکل کے نبیؑ ہیں اور تا قیام قیامت رہیں گے۔ علاوہ بریں ہر نبیؑ کو میلہ کے بانی یعنی خداوند تعالیٰ نے ایک مجموعۂ قانون بھی بخشا جس پر عمل پیرا ہونیسے ہی امن قائم رہ سکتا تھا۔ اسی اصول پر اس آخری النبی صلعم کو بھی ایک اٹل قانون ہدایت (قرآن مجید) عنایت فرمایا۔ جس کے ذریعہ یہ اعلان فرمایا کہ میلہ کا بانی اب آخری قانون میں کوئی تبدیلی نہ کریگا جسطرح کہ پہلے قوانین میں ہوتی رہیں۔ کیونکہ میلے والوں کی استعداد فہم و تحمیل اب کمال پر پہنچ چکی ہے شروع سے آج تک میلے والے فہم و تحصیل کے لحاظ سے اس درجہ تک نہ پہونچے تھے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی تاکید فرمادی کہ اس منتظم کی وفات کے بعد اس کے ماننے والوں میں سے قابل لوگ ہر گوشۂ دنیا میں ہر وقت اپنے منتظم اور قانون کی حقانیت ناواقف اور منکر لوگوں پر واضح کرتے رہیں اور ساتھ ہی اس بات کی حتی المقدور سعی کرتے رہیں کہ ان قوانین کی توہین یا خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔

اس دنیا کے میلے میں بھی مذکورۂ بالا چار قسم کے لوگ پیدا ہوتے رہے اور اب بھی ہیں اور ان کے لئے بھی وہی باتیں ضروری ہوئیں جو اوپر بیان ہو چکی ہیں۔ یعنی ہر نبیؑ کو پہلی قسم کے لوگوں پر اپنی حقانیت تسلیم کرانی پڑی اور جب وہ نہ ماننے بلکہ دشمنی پر اتر آئے اور نبیؑ اور اس کے متبعین کو تکلیف دینے لگے اور ہلاک کرنے کے درپے ہوئے تو مجبوراً اُن کو حسب توفیق لشکر دُعا یا لشکر وَغا سے مغلوب و ہلاک کردیا۔ اسی طرح دوسری قسم کے لوگوں کو اپنے تئیں منتظم حق (نبی) منوانے کے لئے سمجھانا پڑا اگر وہ مان گئے تو فبہا ورنہ ان کے فساد کو روکنے کے لئے موثر تدبیریں اختیار کرنی پڑیں۔

برخلاف دنیاوی حکومتوں کے مذہبی تنظیموں میں باغی یعنی کافروں کی تعداد زیادہ ملتی ہے کیونکہ انسان فطرۃً قوت کے سامنے جھک جاتا ہے مگر انصاف و عقل پر مبنی ہدایت کے سامنے بڑی مشکل سے جھکتا ہے۔ اور نبی ہمیشہ مادی طاقت کے

باطل پرست بتاتا ہے۔ حالانکہ اُنکی نظروں میں خود مبلغ جاہل اور فسادی ہے کیونکہ وہ اسلام اور اُس کے نبیؑ اور قانون کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ اس غلط فہمی کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باہمی کشمکش اور بعض دفعہ جنگ تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ جہاد کا پیش خیمہ ہے آپ نے دیکھا مبلغ نے حالانکہ فساد اور جھگڑے کی ابتدا خود کی مگر اس کو منکرین کے سر تھوپ کر اُن کو ساکت کرنے کی غرض سے شہید و غازی کے خوش کن القاب سنا سنا کر لوگوں کو آپس میں لڑا مارا پس دنیا کو عنصر فساد سے پاک کرنے کے بہانہ سے نبیؑ اور اس کے ماننے والے تبلیغ و جہاد کی آڑ میں خود فساد برپا کرتے ہیں۔

حل

کارخانۂ قدرت کے ہر شعبہ کی پیشانی پر جلی حروف میں لکھا ہوا ہے کہ اگر اس شعبہ کا قیام چاہتے ہو تو اس کو ضرر رساں مواد سے صاف رکھو اور اصلح اور انفع امور سے اس کو تازہ رکھو۔ اسی اصول کے ماتحت اس دنیا کو بھی کفر و کافری کے ضرر رساں عنصر سے پاک رکھنے کی اور ایمانداروں کو ایمان میں اور زیادہ پختہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ عالم صغیر یعنی جسم انسانی میں اگر کوئی عضو گل جاتا ہے تو اس کو کاٹ ڈالتے ہیں۔ اس لئے تاکہ وہ باقیماندہ صحیح جسم کو بھی اپنے زہریلے اثر سے ہلاک نہ کر دے۔ اس کانٹ چھانٹ کو اگر کوئی جاہل بیوقوف غیر ضروری قرار دے تو قرار دے

برین عقل و دانش بباید گریست ۔ کوئی خیر اندیش زہریلے مواد کو کاٹنے سے نہ روکے گا۔ نبیؑ یا اس کے متبعین اگر منکرین کے زہریلے مواد کو جسم دنیا سے بذریعہ تبلیغ (یعنی دوا) یا بذریعہ جہاد (یعنی جراحی) باقی ماندہ صحیح جسم (یعنی جماعت مومنین) سے کاٹ کر الگ کر دیتے ہیں تو عین ہمدردی خلائق ہے بلکہ اس کے برخلاف زہر کفر کو جسم دنیا میں پڑا رہنے دینا رواداری یا صلح جوئی یا اخوت انسانی نہیں ہے۔

مغالطہ ۳

کچھ لوگ یہ غلط فہمی پیدا کرتے ہیں کہ خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی قرآن مجید کے دستور میں اصل حکم ہے اور اس کے علاوہ باقی احکامات محض فروعات ہیں چونکہ اصل ہر ایک

کہ میرے نزدیک تو فلاں ہادی سچا رہبر ہے اور فلاں کتاب آجکل کی دنیا کے لئے قانون کا مجموعہ ہے۔ تمہارا منظور کردہ نبیؐ اور قرآن مجید نہیں۔ واقعی ہر شخص کا حق ہے کہ وہ اس موت وحیات کے اہم معاملے کو یونہی سرسرا نہ سمجھے اور رسماً یا تقلیداً کسی نبیؐ یا کتاب کو ماننے کے لئے تیار نہ ہو جائے بلکہ اس میں خوب عقل لڑائے اور جب تک اس بارہ میں پوری پوری طرح اطمینان نہ ہو جائے اپنے آبائی مذہب کو خیرباد نہ کہے۔ اسکے متعلق دنیا میں بے شمار کتب موجود ہیں اُن کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ مقدمہ ہذا میں اسپر بھی اشارۃً کچھ لکھا جا چکا ہے کہ مسلمان اس زمانے میں آنحضرت محمدؐ صلعم کو ہی کیوں سچا اور آخری نبیؐ مانتے ہیں اور اُنؐ پر نازل شدہ کلام ربانی کو آخری وکامل ہدایت نامہ کیوں تسلیم کرتے ہیں کیونکہ یہ عنوان بہت وسیع ہے جس کا یہ مختصر سا رسالہ حامل نہیں ہو سکتا اس لئے متلاشیان حق کو ہم یہ مخلصانہ رائے دیں گے کہ اگر وہ وسیع مطالعہ کی تکلیف اٹھانا نہیں چاہتے تو کم از کم کتاب رحمۃ اللعالمین جلد سوم بمصنفہ قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری خلد آشیاں کا ضرور مطالعہ فرمائیں جو سعید روحوں کے لئے انشاءاللہ تعالےٰ ضرور کافی دوائی ثابت ہوگی۔

تیسری قسم کے لوگوں کی طرف سے البتہ اطمینان تھا۔ اُن پر صرف اس وقت حد شرعی جاری کرنی پڑی جب کسی نے ان میں سے کوئی قابل سزا شرارت کی یا ارتکاب جرم کیا۔ اور چوتھی قسم کے قدوسیوں کو مراتب دینوی اور اخروی سے شاد کام فرمایا کیونکہ انہوں نے ہر ممکن طریقے سے اپنے حاکم حقیقی کی اطاعت کی۔

مغالطہ ۳

یہاں شاید یہ سوال پیدا ہو کہ پہلی اور دوسری قسم کے لوگوں کو تبلیغ کرنے کی کیا ضرورت ہے اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ کیونکہ ایک مبلغ جب کسی شخص کو اپنے نبیؐ اور اس کے قانون کی سچائی منوانے کے درپے ہوتا ہے تو منکر ین اس کو نفرت سے ضرور دیکھیں گے اس لئے کہ وہ سمجھیں گے کہ یہ مُبلّغ مجھے اور میرے بزرگوں اور میرے تمام ہم خیال دانشمندوں کو جاہل اور فسادی سمجھتا ہے ہمارے مذہب کو جھوٹا اور ہم سبکو

مانتے چلے آرہے ہیں۔ تو جب تک ان مذکورہ بالا باتوں پر تمام مذاہب متفق نہ ہو جائیں کیا وہ معروف معروف نہیں اور کیا یہ منکرات منکرات نہیں ہیں؟

اگر سچ پوچھو تو اپنے وقت اور حلقے کے نبیؐ کو ماننا ہی روح مذہب ہے۔ خدا پر ایمان لانا اور قیامت کو برحق جاننا اور نیک اعمال کرنا بغیر اقرار رسالت حقہ کے بیکار محض ہے۔ موجودہ وائسرائے کو وائسرائے ہند تسلیم کر لینا سرکار انگلشیہ کی تمام آئین کو خود بخود تسلیم کر لینا ہے اور اُن کے نافذ کردہ احکام کو مان لینا ہے۔ اور اگر کوئی موجودہ وائسرائے ہند کو سرے سے اپنا حاکم جائز ہی تسلیم نہیں کرتا اس کا آئین حکومت برطانیہ کو درست تسلیم کرنا اور اس کے مرتبہ قوانین کی پوری پوری تعمیل کرنا اس کو بغاوت کی سزا سے بچا نہیں سکتا۔

مغالطہ ۱۲

ایک اور گمراہی پیدا کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مسلمان ایک سانس میں تو اپنے نبیؐ کے علاوہ باقی دوسرے انبیاءؑ اور ان کے صحائف کو سچا مانتے ہیں اور دوسرے سانس میں یہ کہہ کر کہ ان انبیاء اور صحائف کے ماننے والے باطل پر ہیں انکار کرتے ہیں حالانکہ لا نفرق بین احد من رسلہ (یعنی ہم رسولوں میں سے کسی رسول میں بھی اختلاف نہیں کرتے) کے ماتحت جب آپ سب نبیوںؑ کو حق پر مانتے ہیں تو پھر اُن کی امتوں کو کس طرح حق پر نہیں جانتے لیکن انکے امتوں کے مذہب کو جھوٹا اور خود انکو باطل پرست کہنا تکذیب انبیاءؑ و کتب آسمانی نہیں تو اور کیا ہے؟ فرض کیجئے محکمہ مال میں چپڑاسی۔ پٹواری۔ گرداور۔ تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر وغیرہ ملازموں کا سلسلہ ہے ان میں سے ایک کا انکار سارے سلسلے کا انکار ہے۔ اسی طرح تمام نبیوں۔ کتابوں اور فرشتوں کا سلسلہ ہے محکمہ ہدایت میں۔ ان میں سے ایک کا انکار سب کا انکار ہے۔

حل

محکمہ مال کی مثال بالا میں کسی پٹواری کا انکار اس سے اوپر کے تمام افسروں کا انکار نہیں کہلا سکتا اور نہ اس کا انکار کسی ایسے پٹواری کا انکار کہلا سکتا ہے جو در اصل ہمارے

مذہب میں پائی جاتی ہے اس لئے فروعات کی خاطر جو خود تبدیل ہوتی رہتی ہیں کسی کو شریر و بدکار ٹھہرانا اور پھر اس سے لڑنا مرنا زیادتی و ظلم ہے۔

حل

اول تو خدا پرستی اور نیک عملی کی زندگی کو ہر ایک مذہب میں ثابت ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جب اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب میں خدا کا ایسا تصور ہے جو حقیقی خدا کا ہو ہی نہیں سکتا تو پھر ایسے خدا کی پرستش کس طرح خدا پرستی کہلا سکتی ہے۔ دوسرے نیک عملی کی زندگی بھی اسی قسم کا دھوکا دینے والی اصطلاح گمراہ کن افراد نے خود تراشی ہے جسکو کوئی صحیح عقل والا انسان نہیں مان سکتا کسی عمل کو نیک یا بد سمجھنا عقل انسانی کی حدود سے باہر ہے کیونکہ دنیا کے اندر ایک قوم ایک عمل کو نیک سمجھتی ہے دوسری قوم اسی عمل کو بد مانتی ہے. مثلاً گئوکشی ہنود کے نزدیک بدعملی ہے مگر مسلمانوں کے نزدیک نیک عمل ہے یا مثلاً اپنی ہی بیٹی سے نکاح کر لینا پارسی قوم میں جائز اور فعل حلال تھا مگر دنیا کے اکثر اقوام کے نزدیک یہ فعل حرام تھا اور ہے۔ اگر عقل انسانی پر ہی اس معاملے کو چھوڑ دیا جائے تو پھر دنیا میں کوئی عمل نہ بد کہلا سکے گا نہ نیک۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں نیک و بد کی پہچان اس طرح بیان فرما دی کہ جس کو میرا نبیؐ نیک عمل کہے اُسے نیک سمجھو اور جسے وہ بدعمل بتائے اُسے بد جانو۔ پس قرآن مجید کے منکرین اگر کوئی عمل نیک کریں بھی تو اُس کو نیک نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ اپنے حاکم جائز کے منکر ہیں اور اس کے معیارِ نیک و بد کے بھی منکر ہیں اور اس وجہ سے وہ باغی ہیں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ اعمال جن کی اچھائی عام طور پر نوع انسان نے تسلیم کی ہوئی ہے دین الٰہی کے مطلوبہ اعمال (معروف) ہیں. اسی طرح وہ اعمال جن سے عام طور پر انکار کیا گیا ہے اور جن کی برائی پر تمام مذاہب متفق ہیں دین الٰہی کے ممنوعہ اعمال (منکرات) ہیں ان کا یہ قول صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ اسلام کے سوا دنیا کے اکثر مذاہب توحید۔ تبلیغ۔ مساوات۔ نکاح بیوگان۔ طلاق اور لڑکی کو ورثہ دینے وغیرہ کو بُرا جانتے تھے اور سود۔ شراب۔ جوا اور ذخیرۂ مال وغیرہ کو اچھا جانتے تھے۔ حالانکہ اب نبیؐ برحق کو برحق تسلیم کئے بغیر ان کے ایسے ہوئے اصولوں کو وہ خود

بدل چکا اور ان کے قوانین بھی۔ لیکن انہوں نے آبائی تقلید کی ظلمت کی وجہ سے اپنے وقت اور حلقے کے حاکم کو پہچاننے اور ماننے کی پرواہ نہیں کی۔ اور یہی غفلت ان کو سزا کا مستوجب بنا رہی ہے۔ تعجب ہے گنوار بھی اپنے حلقے اور وقت کے تھانیدار اور پٹواری کا پتہ رکھتے ہیں۔ مگر یہ عقلمند ہو کر بھی مذہبی تھانیداروں کی تلاش کرنے میں سعی نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی ہیں تو ہٹ دھرمی اور خاندانی اثرات ان کو قبول حق سے روکے رکھتے ہیں۔ اِلّا ما شاء اللہ۔

مغالطہ ۵

ایک شبہ اور باقی ہے۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ قرن اوّل میں یہودی۔ عیسائی وغیرہ نبی صلعم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ اس لئے نہ لڑتے جھگڑتے تھے کہ وہ اُن کو ان کے نبیؑ اور ان کے مسلمہ صحیفوں کے برخلاف اپنی رسالت اور اپنے قرآن مجید کے ماننے کے لئے تبلیغ کرتے تھے۔ ہرگز نہیں کیونکہ وہ تو تمام نبیوں اور کتابوں کو حق جانتے تھے۔ بلکہ جھگڑا فساد صرف اس وجہ سے تھا کہ مسلمان اور اُن کے پیارے نبیؑ عیسائیوں کی مرضی کے مطابق صرف عیسائی مذہب کو سچا اور باقیماندہ مذاہب عالم کو جھوٹا نہ بتلاتے تھے اور نہ یہودیوں کی منشا کے موافق صرف یہودی مذہب کو حق اور باقی ادیان عالم کو کاذب نہ جتاتے تھے اور اس لئے ہر دو اہل کتاب نہیں بلکہ ہر مذہب والا اپنے خیال و ایمان کے مطابق مسلمانوں کو نہ پاکر اُن سے لڑنے مرنے پر اُتر آتا تھا۔

حل

اِن کا یہ قول باور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کتب سیر و دینیات میں لاتعداد واقعات اس کو جھٹلاتے ہیں۔ ہم ذیل میں چند اشارے درج کرتے ہیں تاکہ حق طلب انسان پر واضح ہو جائے کہ یہ شبہ بالکل بے بنیاد ہے اور واقعات کو دانستہ غلط بیان کرنا ہے۔

حضرت ابو طالب کی وفات پر رسول کریمؐ بہت غمگین اور غضبناک ہوئے جبکہ حضرت علیؓ نے اپنے باپ کی وفات کے بعد حضور صلعم کے روبرو یوں کہا کہ "آپ کا چچا کافر گیا"

حلقے اور وقت کا پٹواری ہے۔ ہاں ڈپٹی کلکٹر کا انکار البتہ اس کے ماتحت کل اہلکاروں کا انکار ہو سکتا ہے اور ہے اور اسی طرح اپنے حلقے اور وقت کے پٹواری کا انکار دوسرے سب پٹواریوں کے انکار کے برابر ہے۔ مثلاً ہمیں ایک پٹواری کے کسی حکم کی تعمیل سے انکار ہے اس لئے کہ ہمیں معلوم ہے کہ پٹواری کا یہ حکم حاکم بالا کے حکم کے خلاف ہے۔ خصوصاً جبکہ خود پٹواری بھی اعلان کر چکا ہو کہ اگر میرا حکم حاکم بالا کے حکم کے خلاف ہو تو میرے حکم کی تعمیل نہ کرنا۔ اسی طرح ایک پٹواری کے حکم کا انکار ہم اس وقت بھی کرینگے جب یہ جان لیں گے کہ اب وہ اس علاقہ کا پٹواری نہیں رہا۔ ایک پٹواری کے حکم کا انکار اس وقت بھی کرنا پڑیگا جبکہ اس کے حکم دینے کے بعد کوئی نیا حکم خود اس کے پہلے حکم کے برخلاف حکام بالا کی طرف سے صادر ہو چکا ہو۔

پس تمام نبی حق پر تھے اور ہیں اور ان کی کتابیں بھی حق تھیں اور ہیں مگر کیا ان تمام انبیائے ماسبق کے وہ احکام اب ماننے کے قابل رہ گئے جو آخری اور کامل مکمل نبی کے حکم کے مطابق نہ ہوں۔ کتب آسمانی کے وہ احکام واقعی اپنے زمانہ اور حلقے میں قابل عمل و مفید یقین اور ذریعہ نجات تھے لیکن زمانہ اور استعداد خلق کے بدل جانے سے وہ اب اس وقت مفید عمل و یقین نہ رہے۔ مثلاً مغلیہ خاندان کے زمانہ میں ہندوستان میں رسم ستی۔ بردہ فروشی۔ اسلحہ رکھنے کی اجازت تھی لیکن آجکل کی انگریزی حکومت میں یہ جرم ہیں۔ پس اپنے زمانے اور حلقے کے نبی کے احکام ماننے سے ہی نجات ہو سکتی ہے نہ کہ کسی دوسرے حلقے یا کسی دوسرے وقت کے نبی کے احکامات ماننے اور ان پر عمل کرنے سے یا مثلاً ہندوستان میں فوجی ملازمت جبری نہیں مگر جرمنی میں ایک عمر مقررہ پر پہنچ جانے پر ہر مرد کو جبراً فوج میں شامل ہونا پڑتا ہے۔ پس جو بات جرمنی میں جرم ہے ہندوستان میں نہیں۔ جرمنی والوں کو وہاں کے احکام ماننے چاہئیں تاکہ سلامت رہیں۔

یہودی۔ عیسائی۔ وغیرہ وغیرہ آجکل اسی غلط فہمی کی بنا پر مسلمان نہیں ہوتے کیونکہ وہ اپنے ہادی اور ان کی کتب سماوی کو حق پر جانتے ہیں حالانکہ اُن کا زمانہ

مغالطہ ۶

ایک اور شبہ کا ازالہ ضروری ہے۔ مریض جسمانی کے لئے ضروری نہیں کہ علاج کے وقت اپنے حکیم پر ایمان لائے بلکہ صرف صحیح تشخیص و تجویز اور پرہیز کے ساتھ صرف اس کے بتائے ہوئے نسخے پر عمل کرنے سے مریض تندرست ہو جاتا ہے۔ لیکن روحانی بیمار کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حکیم یعنی نبیؐ پر بھی ایمان لانا کیوں فرض قرار دیا؟ حالانکہ یہاں بھی اس نبیؐ کے احکام کی تعمیل سے نجات دارین حاصل ہو جانی چاہیئے تھی۔

پہلا حل

جسم کی تندرستی کی خاطر حکیم کا ماننا یا نہ ماننا کوئی اثر علاج میں نہیں رکھتا کیونکہ جسم ایک مادی شے ہے اس کو ایمان سے کچھ واسطہ نہیں مگر روح ایک غیر مادی شے ہے اور اس کو ایمان کی ضرورت ہے کیونکہ روح کے خالق و مالک نے روح کی فطرت میں یہ بات رکھدی ہے کہ وہ اپنے کمال کو حاصل کرنے کے لئے اپنے بنانے والے اور اس کو راہِ ہدایت دکھلانے والے پر ایمان بھی لائے ورنہ فلاح سے محروم رہیگی۔ اب اگر کوئی پوچھے کہ روح میں یہ فطرت کیوں رکھی گئی ہے تو اس کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں کہ کسی شے میں جو خاصیت اللہ رب العالمین نے مناسب سمجھی وہ رکھدی۔ ہم اس کے سبب کو نہیں معلوم کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ آجتک اس کا پتہ نہ چل سکا کہ آگ میں جلانے کی خاصیت کیوں ہے اور پانی میں بجھ جانے کی قابلیت کیوں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ہاں یہ شبہ البتہ پیدا ہو سکتا ہے کہ روح کی جو فطرت بتائی گئی ہے ممکن ہے غلط ہو۔ اور اسکی خاصیت اس کے سوا اور کچھ ہو۔ تو اس کا ازالہ علوم معاملہ کی دسترس سے باہر ہے۔ ہاں علوم مکاشفہ اس مقام پر ہماری دستگیری کر سکتے ہیں۔ پس اہل اللہ کے مکاشفات کی طرف اگر رجوع کیا جائے تو آپ جان لیں گے کہ آج تک جب کوئی شخص کسی زمانے میں بھی اپنی روح کو ناجی نہ بنا سکا جبتک کہ وہ خدا اور رسول پر ایمان نہ لایا تو پھر یہ شبہ بھی جاتا رہتا ہے۔

یہ کیوں ؟ صرف اس لئے کہ ابو طالب نے علانیہ حضور صلعم کی رسالت کا اقرار نہ کیا تھا۔
حضرت ابوطالب اللہ تعالےٰ پر اور آخرت پر تو ایمان پہلے سے رکھتے ہی تھے اور حضورؐ
کی جو بڑاز محبت خدمت آپ نے کی۔ ایسی خدمت کا بہت کم دوسروں کو موقع ملا۔ علاوہ
ازیں آخری وقت جب حضرت ابو طالب کے ہونٹ ہلتے دیکھکر حضرت عباسؓ (جو اس
وقت تک اسلام نہ لائے تھے) نے سننے کے لئے ان کے ہونٹوں کے پاس اپنے کان لگائے
تو آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا کہ چچا کیا کہتے ہیں ؟ حضرت عباسؓ نے جواب دیا کہ یہ وہی
بات کہتے ہیں جو آپ ان سے کہلوانا چاہتے تھے۔

ابو لہب کا یہ کہنا کہ مجھے محمد (صلعم) پر تو ایمان ہے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے مگر مجھے
رنج ہے تو محمد صلعم کے خدا سے ہے کہ اُس کو اگر قریش ہی میں سے کسی کو نبی بنانا تھا تو پھر ہم جیسے
عمائدین میں سے کسی کو نبی بنایا ہوتا۔ ہم بڑوں کو چھوڑ کر ایک ہم سے چھوٹے کو نبی کیوں بنایا۔
باایں ہمہ اس کے کفر اور سزا کی بابت سورۃ تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ شاہد ہے۔

حضرت امیر حمزہؓ کا قبل از اسلام ابو جہل سے حضورؐ کے ساتھ گستاخی کرنے کے عوض
انتقام لینا آنحضرتؐ کو خوش نہ کر سکا جب تک کہ امیر حمزہؓ ایمان باللہِ والآخرۃ کیساتھ
ایمان بالرسالت کے قائل نہ ہوگئے۔

قریش مکہ اکثر موحد تھے مگر ان کے ساتھ بھی کافروں کی طرح سلوک کیا گیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رسالت کا انکار تو بڑی بات ہے صرف انکار زکوٰۃ پر جہاد کیا۔
حضرت عمر فاروقؓ نے رسالت کے انکار کرنے پر نہیں بلکہ صرف حکم رسالت پر مطمئن
نہ ہونے پر ایک مسلم کی گردن اڑا دی تھی۔

غرض کہاں تک لکھا جائے۔ قِصّۃُ العشق لا انفصام لہا۔

ان مذکورہ بالا چند واقعات سے معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ رسول اکرم صلعم نے اپنی رسالت
کے اقرار کو انسانوں کی نجات ابدی کے لئے کس قدر اہم سمجھا ہوا تھا نہیں نہیں بلکہ اہم
سمجھایا ہوا تھا۔

رہیں تو کیا ان کا یہ بظاہر امن پسند طریقہ دنیا اور دنیا والوں کو ایک غیر فانی فساد عظیم کیطرف نہیں لے جائے گا۔

اعتراض ۵

روحانی حصہ نماز کو جب تک اہم نہ جانیگا اسوقت تک ایک نماز گذار۔

ا۔ نہ تو بدی و بیحیائی سے رُک سکے گا جو غرض و غایت نماز ہے۔

ب۔ نہ وہ دل کو ہمہ تن نماز میں حاضر رکھنے کی کوشش کرے گا

ج۔ نہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کا خیال دل میں جمائے گا۔

د۔ نہ نماز میں تضرع خشوع خضوع پیدا کریگا جو فلاح پانے کا ذریعہ ہے۔

ہ۔ نہ وہ الفاظ نماز کے معانی و مطالب سمجھنے میں سعی کریگا اور اسی لئے نہ وہ قرآن حکیم کو سمجھکر پڑھنے کی کی تڑپ اپنے دل میں پیدا کریگا۔

و۔ نہ وہ توجہ الی اللہ یا بہم احساس خدا حاصل کرنے کی پرواہ کریگا۔

ز۔ مذہب کے تمام احکام و رسوم کی لم معلوم کرنے کی خواہش رفتہ رفتہ اسکے دل سے مٹ جائیگی اور انکی تعمیل کے وقت ایک مشین کے بیجان پرزہ کی طرح وہ حرکتیں کرے گا۔

جواب

یہ اعتراض سات چھوٹے چھوٹے اعتراضوں پر مشتمل ہے۔ انمیں سے

ا۔ کا جواب تو اعتراض ۳ کے جواب میں دیا جا چکا ہے۔

ب ج۔ د۔ و کا جواب اعتراض ۲ کے جواب میں ملاحظہ فرمائیے۔

ز کا جواب مقدمہ ۱ میں ملے گا۔

اعتراض ۵ ہ کا جواب یہ ہے

قرآن مجید کو سمجھکر پڑھنا بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن فہم قرآن پر اتنا زور دینا کہ غیر فہیم تلاوت قرآن پاک کو طوطے کی طرح رٹنا اور تنقیح اوقات وغیرہ بتانا بڑی کم فہمی ہے۔ اس قسم کی ذہنیت کے طفیل آجکل مسلمانوں میں وعدہ الٰہی "و انا لہ لحافظون" یعنی ہم ہی (قرآن مجید) کی حفاظت کریں گے" کے مظاہر یعنی حفاظ کی تعداد میں کمی آرہی ہے بلکہ ناظرہ خوانوں تک کا فقدان

دوسرا حل

اس وسوسہ میں مغالطہ یہ دیا گیا ہے کہ رُوحانی مریض کے معالج یعنی پیر و مرشد کو نبیؐ بنا دیا گیا ہے جسمانی مریض میں طبیعت انسانی (جو علیہ بدن ہے) کو جو درجہ حاصل ہے روحانی مرض میں اپنے وقت و مقام کے نبیؐ اور خداوند تعالےٰ پر ایمان لانے کا بھی وہی مرتبہ ہے۔ جسمانی مرض میں جو مرتبہ معالج یعنی طبیب و حکیم کا ہے وہی مرتبہ روحانی مرض میں پیرِ شریعت یا مرشدِ حقیقت کا ہے۔ پس جسطرح جسمانی مرض میں صرف اسی بیمار کا علاج کیا جاتا ہے جس کے اندر دوا قبول کرنیوالی طبیعت ابھی موجود ہے اسی طرح رُوحانی مرض میں بھی صرف اسی کا علاج پیر و مرشد کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں جو مومن مُسلمان ہے۔ کافر کو وہ نجات نہیں دلا سکتے۔ اب واضح ہو گیا ہوگا کہ رُوحانی بیمار کے لئے اللہ تعالےٰ نے اپنے اور اپنے نبیؐ پر ایمان لانے کو کیوں فرض قرار دیا کیونکہ یہی ایمان لانا تو جان مریض ہے۔ بے جان (یعنی بے ایمان) مریض کا علاج شریعتِ حقہ کاملہ کی تابعداری بھی نہ کر سکتی تھی۔

حاصل کلام یہ کہ ہر مسلمان کو دوسرے مذاہب اور ان کے پیرؤں کو اس لئے جھوٹا کہنا چاہیئے تاکہ جسم انسانیت کی بیماریوں کی پہچان میں دقت نہ رہے اور بیمار لوگ غلطی سے اپنے تئیں تندرست سمجھ کر علاج کرنے میں غفلت نہ کریں اور تندرست اُن بیماریوں سے بچنے کی کوشش کریں۔ یہ تقاضائے ربوبیت ہے اور تبلیغ اس لئے ضروری ہے تاکہ علاجِ مجرب کے نسخے سب کے ہاتھ لگ جائیں اور تمام مخلوق تندرست و توانا بن جائے یہ تقاضائے رحمانیت ہے جہاد اسلئے ضروری ہے کہ جسمِ انسانیت کے زہر آلود عضو کو باقی جسم تندرست سے الگ کر کے صحیح جسم کو ہلاکت سے بچا لیا جائے۔ یہ تقاضائے عدل ہے۔

اس سے روشن ہو گیا ہوگا کہ مذہب جنگ و جدال کا سبب نہیں بلکہ مذہبی ایمان ہی جو لفظ امن سے مشتق ہے حقیقی معنوں میں دنیا میں امن قائم رکھ سکتا ہے۔ عارضی مذہبی جنگ بھی امن کے قیام کے لئے از بس ضروری ہے۔ اب اگر ایک نبیؐ یا اس کے متبعین تبلیغ نہ کریں یا جہاد نہ کریں اور اخوت انسانی۔ رواداری اور اسی قسم کے جذبوں کے ماتحت خاموش

تو ڈر ہے کہ ایسا شخص بوجہ باطنی ناپاکی کم فہمی کے ساتھ غلط فہمی میں نہ مبتلا ہو جائے۔ بے علمی کی حالت میں کم از کم حرف حرف پر ثواب تو مل رہا تھا۔ سمجھکر پڑھنے سے کج فہمی اور کم فہمی کی نحوست سے باطل عقائد میں گرفتار ہونے کا خوف ہے اور بجائے ثواب کے عذاب کا ڈر ہے۔

ہاں یہ شبہ اکثر رہ کر دلیں اٹھتا ہے کہ اگر سمجھکر پڑھنا واقعی ایسے خطرات کا موجب ہوتا جیسا کہ بتایا جا رہا ہے اور نہ سمجھکر پڑھنے ہی میں سلامتی تھی تو اللہ تعالے پھر اپنے کلام پاک میں قرآن مجید کو سمجھکر پڑھنے کے متعلق بار بار تاکید نہ فرماتے۔ یہہ بات تو بالکل درست ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت با فہم بہت فائدہ مند ہے اور اسی لئے اس کی تاکید بھی کی گئی ہے۔ مگر سہ

بدریا در منافع بے شمار است   اگر خواہی سلامت بر کنار است

یعنی دریا میں بیشمار فائدے ہیں۔ اگر تو سلامتی چاہتا ہے تو وہ کنارے پر ہی ہے۔

کلام الٰہی کے معانی میں غواصی کرنے سے واقعی انمول موتی ہاتھ لگتے ہیں لیکن عقیدہ کی سلامتی غواصی نہ کرنے ہی میں ہے یہ اصول صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو فن غواصی سے ناواقف ہیں کیونکہ ورنہ وہ دریا میں ڈوب جائیں گے۔ تیراکوں کے لئے ضروری ہے کہ ضرور غواصی کریں اور منافع حاصل کریں۔ پس قرآن فہمی اسوقت تک فائدہ رساں ہے جب تک کہ سمجھنے والا اپنی فہم کو کسی مطہر فہم کے پیچھے پیچھے لگائے رکھے لیکن اکثر پایا جاتا ہے کہ قرآن پاک کو سمجھکر پڑھنے والے حضرات اکثر مواقع پر اپنے فہم کے گھوڑے کو بے لگام کر دیتے ہیں اور ایسے امور میں بھی جنکی صداقت پر اجماع امت نے اتفاق کر لیا ہے شک کرنے لگتے ہیں یہانتک کہ ایسی ایسی بدعات اور ایسے ایسے غلط احکام اسی قرآن مجید میں سے نکال دکھاتے ہیں کہ آج اس امت مرحومہ کے تشتت و افتراق کی بلا اپنی غیر مطہر مگر مدعی فہم لوگوں کی پیدا کردہ ہے جو فہم قرآن میں خود ہی مشغول نہ رہے بلکہ دیگر غیر مطہر افراد کو بھی اس کی ترغیب دیتے رہے۔

اسی لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے کہ مبتدی کو صرف ذکر اللہ یا ذکر اسم اللہ

نظر آرہا ہے۔ قرآن مجید دُنیا کی دوسری کتابوں کی طرح کی کتاب نہیں ہے۔ دنیا کی دیگر کتابوں کو بغیر سمجھے بوجھے پڑھنا واقعی ایک نادانی کا فعل ہے۔ مگر یہ تو وہ کتاب ہے جو کلام الٰہی ہے اور اپنے بنانے والے کی طرح قدیم ہے اور محفوظ۔ اس کے حروف آپس میں ایکدوسرے کے ساتھ کچھ اس طریقے سے ملے ہیں کہ اُن سے بنے ہوئے الفاظ اور فقروں کی تلاوت غیر فہیم بھی بزبان نبی اُمّی صلعم اپنے پڑھنے والے کیلئے ایک ایک حرف کے بدلے تیس تیس نیکیاں ذخیرہ کرتی جاتی ہے۔ اسی لئے کلام پاک کے سوا کسی اور کتاب کے پڑھنے سے پہلے تعوذ کا حکم نہیں دیا گیا۔ کیونکہ صرف کلام اللہ شریف کی تلاوت کے وقت ہی شیطان رجیم آحاضر ہوتا ہے اور پڑھنے والے کی نیکیوں کو ضائع کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے تاکہ تلاوت کرتے کرتے قرآن مجید کے الفاظ کے علاوہ کہیں اور لفظ اس قاری کی زبان سے نِکل جائے تو میرے لئے اس کے دل ودماغ پر وسوسے ڈالنے کا رستہ نکل آئے۔ محتاط بزرگ اسی لئے دورانِ تلاوت قرآن مجید کا ترجمہ یا تفسیر پڑھنے کے بعد جب دوبارہ کلام مجید کی آیات پڑھنے لگتے ہیں تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کا اعادہ کرلیتے ہیں۔

علاوہ بریں ایک مومن خواہ وہ کتنا ہی ذکی۔ سریع الفہم۔ صاحب ادراک کیوں نہ ہو۔ آخر ایک انسان ہی تو ہے۔ اور کلام پاک کے سمجھنے کے لئے اتنی ہی تو عقل وہ استعمال کریگا جتنی اس کی بساط ہے۔ کلام پاک کے معانی خود صاحب کلام کی طرح غیر محدود ہیں اس لئے جب کوئی شخص بے حد نہیں تو کلام پاک کے غیر محدود معانی کو پوری پوری طرح سمجھنے کا دعویٰ تو کر ہی نہیں سکتا۔ قرآن مجید کو سمجھکر پڑھنے والا اپنی استعداد علم وعقل کے مطابق ہی اس کے معانی ومفہوم کو پاسکے گا اور وہ انسانی مفہوم لازماً اللہ تعالےٰ کے مفہوم سے بدرجہا کم ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ یہ کم فہمی اس کو کسی غلط راہ پر ڈالدے۔

کلام پاک ایک پاک کلام ہے اور اسکے شجر مطالب کو لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ (یعنی نہیں چھو سکتے اسکو (یعنی قرآن مجید کو) مگر پاک لوگ") کے ماتحت سوائے پاک ہستیوں کے اور کوئی چھو نہیں سکتا۔ پس اگر ایک پڑھنے والا مومن کہیں خدا نخواستہ پاک باطن نہوا (اور اکثر مومن پاک باطن ہوتے بھی نہیں اور نہ ہی کوئی پاک باطنی کا دعویٰ کرسکتا ہے)

گذارشِ واقعی

لکھنے کو تو یہ رسالہ لکھ ہی دیا لیکن سرکاری دفتر کے کاموں نے مجھے اتنا وقت نہ دیا کہ سارا مسودہ قبل از طباعت حسب منشا درست کرکے میں مطمئن ہو جاتا چونکہ یہ خیال تھا کہ عید الضحیٰ کے موقع پر یہ رسالہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائے اسلئے کتابت بھی دلپسند نہ ہو سکی۔ علاوہ ازیں تفصیل طلب مضامین کثرت سے سامنے آگئے۔ انکا پھیلاؤ محنت۔ وقت اور روپیہ چاہتا تھا وہاں بھی چار و ناچار مختصر اشاروں پر اکتفا کیا گیا۔ لہٰذا امید ہے کہ عبارت کی خامیوں اور مطالب کی الجھنوں کو ناظرین معذور گردانیں گے اور جیسا بھی کچھ پیش خدمت کیا جا رہا ہے اس کی غرض اصلی سے مستفید ہونے پر توجہ فرمائیں گے۔ کام تو دراصل یہ علمائے کرام کا تھا اور ہے نہ کہ مجھ جیسے دفتر کے بابو کا لیکن اِسطرف اُنکی توجہ نہ دیکھکر اپنی کم علمی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کچھ نہ کچھ لکھ ہی دیا۔

اللہ تعالیٰ اس سے مسلمانوں کو ہدایت بخشے اور میرے لئے اسے دارین کے ثواب کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

جمعہ ۱۹ جنوری ۱۹۴۰ء
المطابق ۹ ذالحجہ ۱۳۵۸ھ

فقیر اصغر
نمبر ۲۴ لیک سکوائر نئی دہلی۔

کی مداومت مفید ہے اور متوسط کو قرآن مجید کی تلاوت نفع بخش ہے اور منتہی کو نوافل نماز کی کثرت سود مند ہے مبتدی چونکہ ابھی ذکر اللہ کی وساطت سے پاکیزہ نہیں ہو چکا ہوتا اس لئے اگر وہ متوسط کی طرح قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو جائیگا یا نوافل نماز کو کثرت سے ادا کرنے پر تُل پڑیگا تو وہ یقیناً بجائے فائدہ کے نقصان اٹھائیگا۔ اسی طرح متوسط بجائے تلاوت قرآن مجید کے اگر منتہی کی طرح بہت نوافل نماز پڑھنے میں مشغول ہو جائیگا تو بجائے ترقی کے تنزل میں گر جائیگا۔ کسی نے کیا سچ کہا ہے۔ ؎

ہر چہ گیرد علتی علت شود　　　　کفر گیرد کاملے ملت شود

ترجمہ :- اگر ایک کامل بزرگ کفر بھی کرے تو مذہب کہلائیگا اور ایک ناقص خواہ کچھ بھی کیوں نہ اختیار کرلے آخر جو کچھ اعتراضات ابتک بیان کئے گئے ہیں وہ نمونہ ہیں اُن اعتراضات کے جو اکثر جماعتی نماز کو افضل جاننے والوں پر کئے جاتے ہیں ممکن ہے اس قسم کے بہت سے اعتراضات اور بھی ہوں لیکن مندرجہ بالا مضمون میں چند ایک ایسے اصول لکھے جا چکے ہیں کہ ان کی مدد سے آپ ہر قسم کے اعتراضات کا جواب خود ہی دے سکیں گے۔ اس لئے اس سے زیادہ نہ لکھا گیا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔ وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهٰكُمْ عَنْهُ۔ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ۔ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ ط

فقیر اصغر علی۔
لیک اسکوائر ۱۳ نئی دہلی۔

جمعہ ۶ بجے صبح ۱۹ شوال ۱۳۵۸ھ
یکم دسمبر ۱۹۳۹ء۔

مختصر فہرست مضامین "رسالہ رہنما کی ضرورت"

از مولف کتاب ھٰذا

۱۔ حدیث "ترکت فیکم امرین" الیٰ آخرہ میں کتاب اللہ و عترتی ہے یا کتاب اللہ وسنت رسولہ۔

۲۔ اگر رہبر کی ضرورت ہوتی تو حضرت عمر فاروق رضؓ نے "حسبنا کتاب اللہ" کیوں فرمایا تھا؟

۳۔ ہر فن میں اصطلاحات مقرر کرنے کی غرض۔

۴۔ صورت شریعت اور حقیقت میں کیا فرق ہے؟

۵۔ صحابہ کرام فقہ میں کسی امام کے پیرو نہ تھے۔ کیوں؟

۶۔ ہر شخص کا ایک علیحدہ رب ہے۔

۷۔ اسم پہلے ہوتا ہے یا جسم۔

۸۔ انسان سر نیچا اور پاؤں اوپر کئے کیوں پیدا ہوتا ہے؟

۹۔ ذکر کون کرنا چاہیئے؟

۱۰۔ کوئی امتی صحابی کے مرتبہ کو کیوں نہیں پہونچ سکتا؟

۱۱۔ الہام کی ضرورت کتاب وسنت کے بعد کیا ہے۔؟

۱۲۔ بدعت کی تعریف جامع ومانع۔

۱۳۔ احکام اجتہادیہ مفید عمل ہیں نہ کہ مثبت اعتقاد

۱۴۔ کافر طریقت عامل صورت شریعت سے افضل ہے۔

۱۵۔ جب ایک ہی راستہ سیدھا ہو سکتا ہے تو پھر سب کے سب کس طرح حق پر ہو سکتے ہیں؟ یعنی حنفی بھی حنبلی بھی۔ قادری بھی اور چشتی بھی۔

ملنے کا پتہ:- کوارٹر نمبر ۲۴ لیک سکوائر۔ نئی دہلی۔

قیمت چار آنے۔